بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایلاء و تخییر

اثر خامہ

امام الہند حضرت مولینا ابوالکلام آزاد

مرتبہ

الہلال بک ایجنسی حلقہ ۲۴ اندرون دروازہ
شیرانوالہ لاہور

در مطبع کریمی لاہور باہتمام میر امیر بخش مینیجر طبع گردید

قیمت فی جلد ۸ر

یہ چند الفاظ سرسری طور پر اپنے کام کی نوعیت وحالت کے متعلق تھے اصل کتاب اور اس کے موضوع پر غالباً کسی اضافہ کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ یہ ایک ایسے عالی مرتبہ وجود مقدس گرامی کا فیضان قلم ہے۔ جس کی ذات ہر تعارف۔ ہر تعریف اور ہر توصیف سے بے نیاز ہے۔ اس کتاب کا موضوع وقعہ ایلاء وتخییر ہے۔ جس کے ہر پہلو پر نہایت تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے ابتدا میں یہ تحریر مرحوم "الہلال" کی مسلسل چار اشاعتوں میں نکلی تھی۔ ایک صاحب نے عیسائیوں کے مطاعن سے پریشان ہو کر حضرت مولانا سے ان کے متعلق توضیح خاص کی درخواست کی تھی۔ جس کے جواب میں انہوں نے یہ مضمون مرتب فرمایا تھا۔ اس کی ابتدا میں کتب حدیث کی اہمیت۔ ان کی صحت و درستی کے معیار اور ان کے طبقات پر نہایت لطیف۔ مختصر مگر جامع بحث فرمائی گئی ہے جس کے مطالعہ سے دینی مباحث کے نہایت اہم اصول معلوم ہوتے ہیں۔ یہ حصہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے بیحد مفید ہے۔ اس کے بعد اصل موضوع بیان کیا گیا ہے۔ جو تفسیر۔ حدیث اور سیرت کی مشترک بحث کا ایک نہایت نادر اور بے نظیر مجموعہ ہے۔ جو حضرات عربی زبان سے ناواقفیت کے باعث ایسے دینی مباحث کی تحقیق وتفتیش کے اصلی سرچشموں تک پہنچنے سے معذور ہیں ان کے لئے یہ رسالہ بہ طور خاص مفید ہوگا۔ بڑے بڑے ارباب علم ونظر بھی اسے جامعیت مباحث۔ ضروریہ و نافعہ کا ایک عمدہ نمونہ پائینگے۔ الفرقان کی طرح یہ بھی مرحوم "الہلال" کے چمن زار کا عزیز پھول ہے۔ جس کی خوشبو ایک زمانہ کو معطر کر چکی ہے۔ ہم اسے کتابی صورت میں شائع کرکے زیادہ محفوظ کردیتے ہیں۔ تاکہ یہ وسیع تر حصہ میں پہنچ سکے۔ نیز آنے والی نسلیں اس سے مستفید ہوسکیں۔

واللہ المستعان وعلیہ التکلان

نیازمند

مہتمم الہلال بک ایجنسی حلقہ ۲۴ اندرون شیرانوالہ دروازہ لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ ونشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تسلیماً کثیرا۔

"الفرقان" بین اولیاء اللہ و اولیاء الشیطان کی اشاعت کے تقریباً پانچ ماہ بعد ہم اشاعت علوم اسلامیہ کے میدان میں دوسرا قدم اٹھاتے ہیں۔ اور "واقعہ ایلاء و تخییر" کو بصورت کتاب اپنے بھائیوں کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ یہ ہماری سعی و کوشش کا دوسرا ثمرہ ہے۔ اور اہمیت مضمون جامعیت مطالب۔ وسعت معلومات۔ احقاق حق۔ رد مطاعن مخالفین۔ حسن بیان اور دلفریبی تحریر کے لحاظ سے جس طرح "الفرقان" اپنے دائرہ بحث و نظر میں بے نظیر ہے۔ اسی طرح یہ رسالہ بھی اپنی مثال نہیں رکھتا۔ بلاشبہ "الفرقان" کی . . . . اشاعت کا تجربہ اس قدر حوصلہ افزا ثابت نہیں ہوا تھا جسقدر کہ ہمیں توقع تھی اور وہ مفید جامع اور سود مند رسالہ جسے ہم ہر پڑھے لکھے مسلمان کے ہاتھ میں دیکھنے کے متمنی تھے۔ صرف چند سو ارباب علم و نظر تک پہنچکر رہ گیا۔ لیکن اس کم توجہی کے باوجود ہم ایلاء و تخییر کی بصورت کتاب نشر و اشاعت کے جذبے کو روک نہ سکے محض اس خیال پر کہ اگر ہمارے اکثر بھائی اپنے فرائض کے صحیح احساس سے بہرہ ور نہیں ہیں تو اس کا یہ نتیجہ نہ ہونا چاہیئے کہ ہم بھی اپنے فرائض کو فراموش کر بیٹھیں۔ اگر اشاعت علوم اسلامیہ کے میدان میں ہماری یہ ناچیز مساعی ہمارے تمام بھائیوں کے لئے مفید و کارآمد نہیں ہو سکتیں تو ان میں سے جتنوں کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ کم از کم انہیں تو تشنہ کامی کا شکوہ اور گلہ نہ رہے۔ ہم نے نیک نیتی سے ایک خدمت کو اپنے ذمہ لیا تھا۔ اور اپنی بساط و استطاعت کے مطابق اسے انجام دینے میں مشغول ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ آج ہماری اس خدمت کا دائرہ استفادہ محدود ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہے۔ . . . . تو دائرہ بہت جلد ہماری توقعات سے بڑھکر وسیع اور کشادہ ہو جائیگا۔

انسان کا کام یہ ہے کہ وہ نیک نیتی کے ساتھ جس چیز کو اپنے نزدیک اچھی سمجھتا ہے اُسے دوسروں تک پہنچانے کا سامان کردے۔ رہا دوسروں کا اسے اچھی سمجھنا اور قبول کرنا تو یہ ایک ایسی بات ہے جس کے وجود و عدم کا کام کرنے والے کی سعی و کوشش پر کوئی اثر نہیں پڑنا چاہیئے۔

احادیث کی بنا پر جواب دیا گیا تھا۔ اس لئے میں نے صاف کہدیا کہ ہم صرف انہیں اعتراضات کے جوابدہ ہیں جو قرآن کریم کی بنا پر کئے جائیں۔ صرف وہی حقیقی اور ایک ہی مجموعہ ہمارے اعتقادات و عبادات کا ہے۔ حدیثوں کو کوئی یقینی درجہ حاصل نہیں۔ اور اس لئے اس کے ہم ذمہ وار نہیں ہیں۔ یہی زرین اصول سر سیّد احمد خاں مرحوم نے خطبات احمدیہ اور مضامین تہذیب الاخلاق میں قائم کیا ہے۔ اس پر انکے عیسائی دوست نے جواب میں کہلایا کہ قرآن میں بھی اس کا ذکر کیا گیا ہے۔

انہوں نے حضرت سرور کائنات (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق بیان کیا ہے کہ ایک مصری عورت حضورؐ کے پاس آئی تھی۔ اور اُسے بطور لونڈی کے آپؐ نے رکھ لیا تھا۔ ایک دن آپ اس کے ساتھ خلوت میں تھے کہ یکایک آپ کی بیویوں میں سے ایک بیوی چلی آئیں۔ اور دیکھ کر سخت ملامت کی۔ اس پر آپ نے معذرت کی۔ اور کہا کہ اس واقعہ کا ذکر دوسری بیویوں سے نہ کرنا۔ ورنہ مشکل ہوگی۔ مگر انہوں نے ذکر کر دیا۔ اور آپؐ ایک مہینے تک اپنی تمام بیویوں سے ناراض ہو کر بالکل الگ رہے۔ اور اس قدر اس کا صدمہ ہوا کہ مہینے بھر تک اپنی کوٹھڑی سے بالکل نہ نکلے۔

وہ کہتا ہے کہ یہ واقعہ معتبر کتب میں موجود ہے۔ اور اس بنا پر اعتراض کرتا ہے کہ کیا ایسا اخلاق انبیا کا ہو سکتا ہے؟ میں نے اپنے یہاں کے بعض علما سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ ہاں بیشک یہ واقعہ کتب معتبرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصول ردّ و دفاع مطاعن منکرین

روایات ضعیفہ و موضوعہ

انکار حدیث و مصلحین متفرنجین

حضرت مولانا! السلام علیکم۔ میرے ایک نوجوان دوست (جن کا نام لکھنا ابھی مناسب نہیں سمجھتا۔ اور غالباً ان کے خاندان سے جناب بھی ضرور واقف ہیں) آج کل عیسائی مشنریوں کے دام میں پھنس گئے ہیں۔ اور رفتہ رفتہ انہیں اسلام کی جانب سے بدظن کیا جا رہا ہے۔ وہ روز اپنے نئے عیسائی رفیقوں کے یہاں سے کوئی نہ کوئی اعتراض سیکھ کر آتے ہیں۔ اور ہم لوگوں سے جواب طلب کرتے ہیں۔ ایک کتاب اردو کی ٹائپ میں لنڈن کی چھپی ہوئی بھی انہیں دی گئی ہے۔ جس کو وہ بطور حرز جاں کے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ اور اس میں بھی اسی طرح ــــ کے اعتراضات جمع کئے گئے ہیں۔ الحمد للہ کہ آج تک ان کے ہر اعتراض کا میں نے مسکت جواب دیا۔ اور اس کا جواب وہاں سے کوئی نہ لا سکے۔ البتہ ایک واقعہ انھوں نے ایسا بیان کیا۔ جس کے متعلق بوجہ عدم علم و واقفیت میں پوری طرح تشفی نہ کرسکا۔ لیکن چونکہ

ان کی نسبت بجز اس کے کیا کہوں - کہ اللہ ان پر رحم کرے - ایسے اپنوں کا وجود دشمنوں سے زیادہ مہلک ہے - فنعوذ باللہ من شر الجھل والجاھلین -

(۳) البتہ بیان کردہ صورت واقعہ سے اگر قطع نظر کرلی جائے - تو یہ در اصل واقعۂ ایلا وتخییر کی بعض روایات کی ایک مسخ شدہ صورت ہے - اور جس مصری لونڈی کی طرف اشارہ کیا ہے - اس سے مقصود ماریہ قبطیہ ہیں - بلاشبہ کتب سیر وتفاسیر میں بعض روایات ایسی موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض ازواج کی خاطر ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا - اور حضرت حفصہؓ یا حضرت زینبؓ سے کہا تھا - کہ اس واقعہ کا ذکر کسی سے نہ کرنا - انہوں نے حضرت عائشہؓ سے کردیا - اور اس پر سورہ تحریم کی آیات نازل ہوئیں ۔۔

لیکن اول تو آپ کے دوست مسیحی معلم کا یہ کہنا کہ یہ واقعہ قرآن کریم میں بھی موجود ہے - بالکل غلط ہے - قرآن کریم میں کوئی واقعہ بیان نہیں کیا گیا - بلکہ صرف ایک راز کا ذکر کیا گیا ہے - جو آنحضرتؐ نے بعض ازواج پر ظاہر کیا تھا - اور اس کا ذکر دوسروں سے کردیا گیا - پھر جو روایتیں اس بارہ میں موجود ہیں - ان کا کتب معتبرۂ حدیث میں کہیں ذکر نہیں - صحاح کے تمام ابواب نکاح و طلاق و ایلا و تخییر ان سے خالی ہیں - اور طبری وغیرہ میں ان کا ہونا

میں آیا ہے پھر جناب ...... کو لکھا انہوں نے بھی اس کی تصدیق کی۔ اب جناب سے مستدعی ہوں کہ خدارا اپنا تھوڑا سا وقت صرف کرکے مجھے واقعہ کی حقیقت سے مطلع فرمائیں۔ بلکہ الہلال میں درج کریں۔ تاکہ تمام مسلمانوں کے لئے ذریعہ علم ہو۔ اور مخالفوں کے دام تزویر سے بچیں۔ نیز اس کی نسبت بھی تحریر فرمائیں کہ کیا احادیث کے متعلق اس اصول کو آپ تسلیم کرتے ہیں۔ جو میں نے مخالف کے سامنے پیش کیا؟

خاکسار غلام سرور شاہ عفی اللہ عنہ

حضرت مولانا کا جواب

(۱) آپ نے جس کتاب کو اپنے قابل رحم دوست کے ہاتھ میں دیکھا ہے۔ وہ غالباً پادری عماد الدین کی میزان الحق وغیرہ ہو گی۔ جو لنڈن میں چھپی تھی۔ ازالۃ الاوہام۔ استفسار۔ لسان الصدق اظہار الحق وغیرہ انہی کتابوں کا جواب ہے۔ لیکن جس واقعہ کا آپ نے ذکر کیا ہے اسے ان کتابوں سے کوئی تعلق نہیں۔

(۲) جن لفظوں اور جس صورت میں آپ کے دوست نے یہ واقعہ بیان کیا ہے وہ قطعاً بے اصل اور حتماً کذب و افترا ہے۔ آپ پورے وثوق اور تحدی کے ساتھ انکار کردیں۔ اور ثبوت طلب کریں جن حضرات علما سے آپ نے تحقیق فرمایا۔ اور انہوں نے اس واقعہ کی تصدیق کی۔

وغیرہ کے متعلق جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ یا اختلاف بیانات قرآن وکتب مقدسہ کی بنا پر جو کچھ کہا جاتا ہے۔ ان کی بنیاد ایک صحیح اور واقعی تعلیم پر ہے۔ اور یقیناً وہ احکام قرآن کریم میں موجود ہیں۔ لیکن یا تو ان کی نسبت تعصب وجہل سے غلط فہمیاں پیدا ہو گئی ہیں۔ یا دانستہ ان کے رد وبطلان کی کوشش کی گئی ہے۔ یا سرے سے اس اصل ہی کو قابل اعتراض قرار دیدیا ہے۔ جس پر وہ تمام تعلیمات واحکام متفرع ہیں۔ غرضکہ اسلام کو ان باتوں کے لئے الزام دیا ہے جن کے وجود سے تو وہ منکر نہیں۔ لیکن جن وجوہ و دلائل کی بنا پر الزام دیا گیا ہے۔ ان کا منکر و مبطل ہے۔

(ب) یا پھر وہ اعتراضات ہیں جن کی بنا نہ تو کسی اسلامی تعلیم پر ہے۔ اور نہ کسی اسلام کے مسلمہ واقعہ پر۔ نہ تو خود قرآن کریم میں ان کا وجود ہے۔ اور نہ احادیث صحیحہ ومعتبرہ میں۔ ان کا دار و مدار صرف اُن بیانات اور روایات پر ہے۔ جو بعض مسلمان مصنفوں نے اپنی کتابوں میں کسی نہ کسی حیثیت سے درج کر دیئے ہیں۔ یا عام طور پر مسلمانوں میں بیان کی جاتی ہیں۔ اور افواہ عوام پر چڑھ گئی ہیں۔ مثلاً قصۂ غرانیق اور واقعہ حضرت زینب وغیرہ یا مثلاً یہی واقعہ ماریہ قبطیہ جو آپ کے دوست کو ایک نہایت مکروہ ومحرف صورت میں دکھلایا گیا ہے۔

ان دو قسموں کے علاوہ بے شمار اعتراضات ایسے بھی ہیں جو محض افترا وبہتان ہیں۔ جیسے صلیبی لڑائیوں کے زمانے میں مشرقی پادریوں

کوئی دلیل صحت نہیں۔ جب تک کہ اصول مقررہ حدیث کے مطابق ثابت نہ ہو جائے۔ علاوہ بریں متعدد وجوہ ایسے موجود ہیں۔ جن سے یہ تمام روایات موضوع اور پایہ اعتبار سے ساقط ثابت ہوتی ہیں۔ اور محققین فن کی بھی یہی رائے ہے۔ کما سیاتی انشاء اللہ۔

لیکن آپ نے ساتھ ہی ایک نہایت اہم اور اصولی موضوع بھی چھیڑ دیا ہے۔ یعنے احادیث کے انکار و تسلیم کا سوال۔ بغیر ایک مستقل و مبسوط مضمون کے اس کا تشفی بخش جواب تو ممکن نہیں۔ البتہ اصل سوال کے جواب سے پہلے سرسری طور پر کچھ اس کی نسبت بھی عرض کر دیتا ہوں۔

(معترضین اسلام کی ایک اصولی تقسیم)

مخالفین و اعداء اسلام جس قدر اعتراضات اسلام اور حضرت داعی اسلام کے متعلق کرتے ہیں۔ خواہ وہ آج پادری عماد الدین۔ پادری فنڈر۔ سر ولیم میور اور مارگولیتھ وغیرہ نے کئے ہوں۔ یا اب سے صدہا سال پہلے اُن معترضین نے جن کے جوابات ابن حزم نے ملل و النحل میں۔ غزالی نے تحفۃ الاریب میں۔ ابن تیمیہ اور ابن قیم نے ارشاد الحیاری وغیرہ میں دیئے ہیں (رحمہم اللہ)۔ مگر اصولاً ان کی دو ہی قسمیں ہیں۔

(الف) وہ اعتراضات جو محض سوء تفہم یا دانستہ تلبیس و اعراض عن الحق کا نتیجہ ہیں۔ مثلاً قرآن کریم کے احکام جہاد و نکاح و طلاق

تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اسلام و پیروان اسلام کے لئے ہر مسلمان مصنف کا بیان حجت اور برہان ہے۔

سب سے بڑا ابلیسی دسیسہ اعداء اسلام کے پاس یہ ہے۔ کہ حضرت داعی اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبہ و مقدسہ کو دنیا کے سامنے ایسی مکروہ و معیوب شکل میں پیش کیا جائے جس کے دیکھتے ہی طبائع میں نفرت و کراہیت پیدا ہو جائے اور اسلام کے متعلق کسی حسن ظن کے پیدا کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے۔

یہ مقصد پہلی قسم کے اعتراضات سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ قرآن کریم میں جہاد کا حکم ہے۔ تعدد ازدواج کی اجازت ہے۔ طلاق کو جائز بتلایا ہے۔ قوم عاد و ثمود کے تاریخی مقامات کا ذکر ہے۔ حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام کا خانہ کعبہ بنانا بیان کیا گیا ہے۔ حضرت مریم علیہا السلام کو ملامت کرنے والوں نے "یا اخت ہارون" کہا ہے۔ معترضین ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ احکام جہاد کو ظالمانہ بتلاتے ہیں۔ تعدد ازدواج اور طلاق کو اخلاقاً معیوب کہتے ہیں۔ قوم عاد و ثمود کے متعلق تاریخی ثبوت طلب کرتے ہیں۔ حضرت ابراہیمؑ کے بنائے کعبہ کا ثبوت تورات سے مانگتے ہیں حضرت مریمؑ کا "اخت ہارون" ہونا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ تاہم ان تمام اعتراضات سے اسلام

نے مسلمانوں کی بت پرستی کے اکاذیب مشہور کر دیئے تھے۔ اور جن کو موسیو کاستری نے "اسلام اور بانی اسلام" میں مفصل بیان کیا ہے۔ یا آج بھی ایسی صدہا باتیں اسلام کی طرف منسوب کر دی جاتی ہیں۔ جن کی کوئی ادنےٰ اور ضعیف اصلیت بھی روایات اسلامیہ میں نہیں ہے۔ لیکن یہ تمام اعتراضات بکسر عداوت و تعصب اور جہل و فساد کا نتیجہ ہیں جن کا خود صاحب نظر معترضین بھی تسلیم نہیں کرتے۔ اور یہاں مقصود صرف قابل توجہ اعتراضات ہیں نہ کہ افتراء محض و بہتان صرف۔

(سب سے زیادہ خطرناک قسم)

جن لوگوں نے مخالفین و معترضین کے اسفار و کتب سے واقفیت حاصل کی ہے وہ تسلیم کرینگے کہ اعتراضات کا سب سے زیادہ حصہ دراصل دوسری ہی قسم پر مشتمل ہے۔ اور پہلی قسم کے اعتراضات گو اصلاً زیادہ اہم ہیں۔ لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اور اعداء اسلام کو اسلام کی تضحیک و تحقیر میں بھی ان سے نسبتاً بہت کم مدد ملتی ہے یہ صدہا کتابیں جو اسلام کی مخالفت میں لکھی گئی ہیں یا لکھی جا رہی ہیں۔ انہیں اٹھا کر دیکھئے اور ان تمام اعتراضات پر نظر ڈالیئے جو ان میں پیش کئے گئے ہیں ان میں بہت تھوڑا حصہ ان اعتراضات کا ہوگا۔ جو براہ راست قرآن کریم کی تعلیمات یا احادیث معتبرہ و مسلمہ کی بنا پر کئے گئے ہیں۔ اور تمام مجلدات بکسر مطاعن و معائب سے لبریز ہونگی جو عام روایات مفسرین و کتب سیرت و مغازی کی بنا پر کئے گئے ہیں۔ اور جن میں ضمناً یہ مقدمہ

آج یورپ اور امریکہ میں عام طور پر جو توحش و تنفر اسلام کی طرف سے پھیلا ہوا ہے۔ وہ زیادہ تر اسی تلبیس و شیطنت کا نتیجہ ہے۔ ان مفتریات کو سنکر ایک سادہ ذہن مخاطب اس درجہ اسلام سے متوحش ہو جاتا ہے کہ اس کے کسی حسن و فضیلت کا اسے تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ اور ہمیشہ کے لئے حسن ظن و تلاش حقیقت کا سد باب ہو جاتا ہے۔

پس فی الحقیقت قسم اول کے اعتراضات اس درجہ اسلام کے لئے مضر نہیں ہیں۔ جس قدر دوسری قسم کے اور آج اعداء اسلام کے ہاتھ میں سب سے زیادہ خطرناک حربہ بھی مفتریات ہیں۔ کسی مذہب کے متعلق یہ کہنا کہ وہ بزور شمشیر پھیلا۔ سننے والے کو اس درجہ متاثر نہیں کر سکتا۔ جس قدر اس افترا کا پیش کرنا کہ (نعوذ باللہ) اس کا بانی اپنے متبنیٰ کی بیوی کو برہنہ غسل کرتے دیکھکر فریفتہ ہو گیا۔ اور بالآخر اس سے طلاق دلا کر خود اپنے نکاح میں لے آیا۔

یہ ایک نہایت دقیق نکتہ ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ اور اس وقت تک بہت کم اس پر توجہ کی گئی ہے۔

(ان مطاعن کا سرچشمہ)

اس قسم کے تمام مطاعن و معائب میں جو واقعات بیان کئے جاتے ہیں۔ ان کا ایک بڑا حصہ تو خود معترضین کے افعاء کفر و ضلالت کا نتیجہ ہوتا ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ البتہ معاندانہ حذف و اضافہ اور

کے محاسن و فضائل پر بالکل پردہ نہیں پڑ جا سکتا۔ اور سننے والے کے لئے یہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ اس کے دیگر احکام و تعلیمات کے متعلق حسن ظن قائم کرے یا بعض دیگر شرائع سے مقابلہ کر کے تسلی حاصل کر لے۔ حضرت موسےٰؑ نے تلوار سے کام لیا۔ حضرت داؤدؑ و سلیمانؑ نے صدہا بیویاں رکھیں۔ اگر مخاطب ان الزامات کو صحیح مان بھی لے۔ جب بھی زیادہ سے زیادہ یہی نتیجہ حاصل کر سکتا ہے کہ قرآن کریم اور کتب مقدسہ عتیقہ کو ایک درجہ میں رکھنا چاہیئے۔

لیکن برخلاف اس کے دوسری قسم کے اعتراضات و مطاعن اپنی معاندانہ تاثیر و نفوذ میں ان اعتراضات سے بالکل مختلف ہیں۔ ان میں اُس زندگی کی تصویر دکھلائی جاتی ہے جو تعلیمات اسلامیہ کی حامل ہے۔ اور جس کی رسالت و نبوت کی صداقت پر قرآن و اسلام کی حقانیت موقوف ہے۔ یہ تصویر نہایت مکروہ ہوتی ہے۔ اور شیطان کفر و ضلالت اعداء اسلام کے اندر حلول کر کے اس کے خال و خط درست کرتا ہے۔ نعوذ باللہ انسانی معاصی و رذائل کے تمام اعمال سیّئہ اس میں جمع کئے جاتے ہیں۔ اور ایسے ایسے قبائح و فضائح کو اس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ جو انسانی بداخلاقی کی انتہا ہیں اور درجہ نبوت و رسالت تو بہت ارفع و اعلےٰ ہے۔ ایک شریف و نیک اعمال شخص کی زندگی بھی ان سے ملوث نہیں ہو سکتی۔ کذالک یوفک الذین کانوا بایات اللہ یجحدون (۴۰-۶۵)

بہت اثر پڑتا ہے۔ اور وہ کہتے ہیں کہ جب خود اسلامی روایات میں یہ واقعات موجود ہیں۔ تو ان سے کیونکر انکار کیا جا سکتا ہے؟

اس قسم کی روایات زیادہ تر تفسیر اور عام کتب سیر و تاریخ میں ہیں یا حضرت شاہ ولی اللہ کی تقسیم مدارج کتب حدیث کے مطابق۔ تیسرے اور چوتھے درجے کی کتابوں سے لی جاتی ہیں۔

(فتنہ اصلاح و اجتہاد جدید)

یہ ایک نہایت اہم اور اصولی بحث ہے کہ اس قسم کے اعتراضات اور مطاعن کے لئے صحیح اور حقیقی طریقہ جواب ورد کا کیا ہے؟

ہمارے زمانے میں ایک نیا گروہ مصلحین و متکلمین کا پیدا ہوا ہے۔ جس نے اپنی قابل تعریف بیداری و باخبری سے پہلے پہل ان اعتراضات سے واقفیت حاصل کی۔ اور چاہا کہ ان مطاعن کی آلودگی سے اسلام کے دامن کی تنزیہ و تقدیس ثابت کرے۔ اس کی مستعدی مستحق اعتراف ہے اور اس کی نیت سعی قابل تحسین لیکن افسوس ہے کہ جس کام کو وہ کرنا چاہتا تھا۔ اس کے لئے مستعدی و آمادگی تو اس کے پاس ضرور تھی۔ پر اسباب و وسائل یکسر مفقود تھے۔ اس کا دماغ کاوش اور اس کا فہم طالب اجتہاد تھا۔ لیکن نہ تو اس کے پاس نظر علم پیمائی جو معین مقصد ہوتی۔ اور نہ ہی فکر واقف کار تھا۔ جو سامان مہیا کرتا۔ نہ تو اسے علوم اسلامیہ کی خبر تھی۔ نہ فن حدیث و اثر پر نظر تھی۔ نہ اصول فن سے اس نے واقفیت حاصل کی اور نہ اسفار و مصنفات محققین و ائمہ قوم

تحریف وتلبیس کو الگ کر دینے کے بعد دیکھا جائے تو اس کی بنیاد میں کوئی بات ایسی ضرور نکل آتی ہے۔ جو یا تو کسی مسلمان مصنف کا بیان ہے یا کوئی روایت اور اثر ہے۔ یا پھر کوئی قصہ ہے جو عام مسلمانوں کی زبانوں پر چڑھ گیا ہے۔

معترضین عموماً یہ کرتے ہیں کہ اسلامی تصنیفات کے متعلق ایک سطحی اور سرسری واقفیت حاصل کر کے چند کتابیں تفسیر اور سیرت یا قصص وفضائل کی اپنے سامنے رکھ لیتے ہیں۔ اور اس میں جس قدر روایتیں اس قسم کی پاتے ہیں۔ جن کی بنا پر اسلام کی صداقت اور بانی اسلام کی زندگی پر طعن و قدح کیا جا سکتا ہے۔ انہیں کامل ابلیسانہ ہوشیاری اور پوری مفتریانہ چالاکی کے ساتھ ایک جا کر لیتے ہیں۔ پھر اپنے اکاذیب و مفتریات کا ان پر اضافہ کرتے ہیں۔ اور مفید مطلب توجیہ و تعلیل کے ساتھ ترتیب دے کر اس طرح پیش کر دیتے ہیں کہ ناواقف ان کے استدلال اور استشہاد سے مرعوب ہو جاتا ہے۔

وہ عموماً کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں۔ اور بعض اوقات ان روایات کو نقل بھی کر دیتے ہیں جن سے ان کا استدلال ہوتا ہے۔ امریکن مشن نے عربی زبان میں جو کتاب بلاد مصر و شام کے لئے شائع کی تھی۔ جو چار ضخیم جلدوں میں ختم ہوئی ہے۔ اور جس کا نام الہدایہ ہے۔ اس میں اول سے لیکر آخر تک ہر اعتراض کے ساتھ کوئی نہ کوئی روایت بھی پیش کی ہے۔ غیروں کے علاوہ خود ناواقف مسلمانوں پر بھی ان حوالوں کا

دی - حتیٰ کہ صاف فیصلہ کر دیا کہ چونکہ حدیثیں اکثر خبر احاد ہیں - اور خبر احاد مفید یقین نہیں - اس لئے حدیث فی الحقیقت کوئی شے نہیں ہے - اس کے جواب کے ہم ذمہ دار نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون ۔

اس طرح انہوں نے ایک فتنہ سے بچنے کے لئے اپنے وجود کو دوسرا فتنہ بنا دیا - اور دشمن نے چونکہ مکان کے شاگرد پیشہ پر قبضہ کر لیا تھا - اس لیے اس کے ہلاک کرنے کے لئے پوری عمارت میں آگ لگا دی - عزیزمن! یہ اسلام کی حمایت نہیں ہے - بل ھی فتنۃ ولکن اکثر الناس لا یعلمون ۔۔

وقت تفصیل کا متحمل نہیں - اس لئے میں نہایت سرسری اشارات کرونگا - اگر فن و ارباب فن پر ان بے خبروں کی نظر ہوتی تو وہ سمجھتے کہ مخالفین کے حملوں سے بچنے کے لئے اس مہلک اجتہاد کی کوئی ضرورت نہیں ہے - ایک محفوظ و مصئون طریق کار پہلے سے موجود ہے ۔ . . . . اور بغیر اس کے کہ کسی جدید مصلح و مجدد کو اپنے غزاء اجتہاد کے اعلان کی ضرورت ہو - خود محققین فن نے اس بارے میں ہیو اصول و قواعد وضع کر دیئے ہیں - انہی کے مطابق چلکر ہم بہتر سے بہتر حق تحقیق و دفاع ادا کر سکتے ہیں ۔۔

(اصول بحث و مسلک صحیح و مستقیم)

اصل یہ ہے کہ یہ تمام نتائج جہل و بے خبری کے ہیں اور وہ بیخبری ہمارے مخالفین اور ہمارے نئے حمات و مصلحین دونوں کے حصے میں

پر نظر ڈالی۔ جس طرح اسلام کے حریفوں نے اس پر طعن کرتے ہوئے اپنے جہل پر اعتماد کیا۔ اسی طرح اسلام کے ان حامیوں نے انکا جواب دیتے ہوئے صرف اپنے بے خبرانہ اجتہاد ہی کو کافی سمجھا۔ چونکہ انہیں اپنی قوت کی خبر نہ تھی۔ اور صرف اپنی فکر و رائے ہی پر اعتماد تھا۔ اس لئے وہ حریفوں کی سطوت سے مرعوب ہو گئے۔ اور قابل اعتراض روایات و بیانات کا انبار دیکھکر اس طرح گھبرا گئے کہ ان میں رد و تحقیق کیلئے کوئی قوت فعال باقی نہ رہی۔ اور ان کا رشتہ کار حریفوں کی قوت اور استیلا اثر کے ہاتھوں میں چلا گیا۔

اس گھبراہٹ میں انہوں نے اپنے تئیں بالکل مجبور پایا۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ دیکھا کہ اپنے کسی جدید خود ساختہ اصول کی بنا پر احادیث و روایات کی صحت ہی سے قطعی انکار کر دیں۔ اور اس طرح ان کے جواب کی ذمہ واری سے بآسانی سبکدوش ہو جائیں۔ پس بجائے اس کے کہ وہ ان روایات کی حقیقت و اصلیت کو واضح کرتے۔ انہوں نے اس قسم کے مجتہدانہ اصول وضع کرنا شروع کر دیئے۔ جن کو اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو معترضین کے فتنہ سے بھی بڑھکر ایک داخلی فتنۂ عظیم اسلام میں پیدا ہو جائے۔ اعاذنا اللہ من شرھا و شر الجھل والفساد۔

مثلاً انہوں نے ان اعتراضات سے بچنے کے لئے جو احادیث کی بنا پر کئے جاتے ہیں۔ سرے سے فن حدیث ہی کی تضعیف و تحقیر شروع کر

و روایت کی بنا پر ضرور تھا کہ نقد و درایت کے اصول وضع کئے جاتے اور وضع کئے گئے۔ اس پورے کرہ ارضی کے اندر جس میں انسان نے ہزار ہا برس کے تجارب و محن کے بعد صد ہا علوم و فنون تک رسائی حاصل کی ہے۔ اور ہر قوم نے علم کی تفتیش و تدوین میں حصہ لیا ہے بخوف دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ کسی علم و فن کو بھی انسانی دماغ نے اس درجہ منضبط اور سعی انسانی کی انتہائی حد تک مرتب و مہذب نہیں کیا۔ جیسا کہ علمائے سلف نے فن حدیث کو۔ اور یہ ایک مخصوص شرف و مزیت علمی ہے۔ امت مرحومہ کی جس میں دنیا کی کوئی قوم شریک و سہیم نہیں۔ والقصۃ لطولہا۔

پس ضرور ہے کہ جس حدیث سے ہمارے سامنے استدلال کیا جائے۔ اس کی صحت اصول و قواعد مقررہ فن، اور علوم متعلقہ حدیث سے ثابت بھی کر دی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمارے لئے کسی طرح بھی دلیل و حجت نہیں ہو سکتی۔

(ایک عام غلط فہمی)

ایک بہت بڑی غلط فہمی یہ پھیل گئی ہے کہ فن حدیث کے طبقات و مدارج اور محدثین کے طریق جمع و اخذ پر لوگوں کی نظر نہیں۔ عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ تفسیر و سیر اور مغازی و ملاحم کی کسی کتاب میں بسلسلۂ اسناد کسی روایت کا درج ہونا اس کے لئے کافی ہے کہ اسے تسلیم کر لیا جائے۔ حالانکہ یہ صریح غلطی ہے۔ اور خود محدثین نے اس غلطی کو کبھی جائز نہ

آئی ہے۔ ہمارا اولین فرض یہ ہے کہ ہم معترضین کو بتا دیں کہ قرآن کریم کے بعد ہمارے لئے حجت و دلیل کون کون سے مصادر علم و اعتماد ہو سکتے ہیں؟ نیز یہ کہ کیا کسی روایت کا کسی کتاب میں درج ہونا اس کے لئے کافی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے حجت ہو سکے۔ اور اس بارے میں ائمہ سلف نے کچھ اصول مقرر کئے ہیں یا نہیں؟

درحقیقت انہی دو سوالوں کا جواب آج کل کے صدہا داخلی وخارجی مباحث واختلافات کے لئے بمنزلہ اصل و اساس کے ہے۔ اور جس قدر مشکلات ہمیں نظر آتی ہیں۔ اور جس قدر ٹھوکریں نئے مصلحین نے کھائی ہیں۔ وہ تمام تر اسی اصولی بحث کے افراط و تفریط کا نتیجہ ہے۔

ان دو سوالوں کا مختصر جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد یقیناً اور حتماً احادیث صحیحہ کا درجہ ہے۔ اور بغیر کسی خوف اور تامل کے اس کا اعتراف کر لینا چاہئے کہ حدیث صحیح ایک ایسا مصدر علم ضرور ہے۔ جو ہمارے لئے دلیل اور حجت ہو سکتا ہے۔ اور جس طرح ہم اپنے داخلی اعمال میں احادیث کے معترف و معتقد ہیں۔ بالکل اسی طرح خارج کے اعتراضات میں بھی ان کی حقیقت کو تسلیم کرتے ہیں۔

لیکن حدیث ایک مدون و منضبط فن ہے جس کے اصول و قواعد ہیں۔ اور اس کی جمع و ترتیب کا کام صدیوں تک جاری رہا ہے۔ اس لئے صحت و اعتبار کے لحاظ سے مختلف طبقات و مدارج میں منقسم ہو گیا ہے۔ اس کی بنیاد انسانوں کی روایت پر تھی۔ اس لئے اصول شہادت

پیدا ہوتی ہیں۔ انہوں نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ جسقدر حاشیں وہ پیش کرتے ہیں۔سب کی سب قابل اعتماد ہیں۔ ان کا مقصد صرف احادیث کو کسی خاص سلسلے سے جمع کر دینا تھا۔ اور اس کے نقد و بحث کو انہوں نے دوسروں کے لئے چھوڑ دیا تھا +

چنانچہ اس کا سب سے بڑا واضح ثبوت یہ ہے کہ محققین فن حدیث نے ہمیشہ اپنی تصنیفات میں ان کی جمع کردہ حدیثوں کو اسی وقت قبول کیا جبکہ وہ اصول مقررہ حدیث کے مطابق جانچ لی گئی۔ اور ہمیشہ اُن پر اپنے اپنے اصولوں کے ماتحت ردّ و قدح اور نقد و جرح کرتے رہے ہے۔سب سے بڑا ذخیرہ حدیث اس قسم کا امام ابن جریر طبری کی تفسیر ہے۔ جنہوں نے قرآن کریم کی ہر آیت کے نیچے روایات کے جمع کرنے کا التزام کیا ہے۔ اور واقعہ ماریہ قبطیہ کے متعلق جو روایت آپ کے دوست نے نسخ و اضافہ کے بعد پیش کی ہے۔ وہ بھی امام موصوف ہی نے سورہ تحریم کی تفسیر میں درج کی ہے۔ یا پھر طبرانی کے معاجم ہیں۔ اور حاکم کی مستدرک۔ ابن حمید و دارمی کی مسانید۔ اور ابو نعیم و دیلمی کی تصنیفات ہیں۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حافظ ابن حجر عسقلانی اور حافظ ذھبی جیسے مسلم محدثین اپنی تصنیفات میں جابجا ان کی مرویات پر جرح و نقد کرتے ہیں اور کسی روایت کو بحث و نظر کے بعد قبول اور کسی کو مردود قرار دیتے ہیں۔ صرف فتح الباری اور عینی ہی اٹھا کر دیکھ لیجئے کہ اس رد و قبول

نہیں رکھا۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ وغیرہ میں جو تصریحات اس بارے میں کر دی ہیں۔ وہ قدما کی تصنیفات سے مستغنی کر دیتی ہیں۔ انہوں نے باعتبار صحت و شہرت وقبول کتب احادیث کو چار درجوں میں تقسیم کیا ہے۔ اول درجے میں وہ موطاء امام مالکؒ اور صحیحین کو قرار دیتے ہیں۔ اور بقیہ کتب صحاح ستہ کو دوسرے درجے میں رکھتے ہیں۔ اس کے بعد دارمی۔ ابو یعلی ابن حمید۔ طیالیسی۔ کے مسانید اور عبدالرزاق۔ ابن ابی شیبہ۔ حاکم۔ بیہقی۔ اور طبرانی وغیرہ کے مجموعے ہیں۔ انہیں تیسرے درجے میں قرار دیا ہے۔ اور لکھا ہے کہ اس میں رطب و یابس ہر طرح کا ذخیرہ ہے۔ یہاں تک کہ موضوع حدیثیں بھی شامل ہیں۔ شاہ صاحب نے سنن ابن ماجہ کو بھی اسی درجہ میں قرار دیا ہے۔ مگر اس کے خلاف رائیں زیادہ ملینگی۔

چوتھے درجے میں کتب حدیث کا تمام بقیہ حصہ داخل ہے۔ علی الخصوص تصانیف حاکم ابن عدی۔ ابن مردویہ۔ خطیب۔ تفسیر ابن جریر طبری۔ فردوس دیلمی۔ ابونعیم صاحب حلیہ۔ ابن عساکر وغیرہ وغیرہ عام کتب تفاسیر و دلائل و خصائص و قصص کا سرچشمہ یہی کتابیں ہیں۔

ان بزرگوں نے اپنا مقصد کتب صحاح کے جامعین سے بالکل مختلف قرار دیا تھا۔ اس مقصد کی بے خبری ہی سے تمام مشکلات

کسی شہادت کے پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے اس لئے زور دیا تاکہ مخالفین اسلام یہ نہ سمجھیں کہ ان کے اعتراضات سے بچنے کے لئے یہ کوئی نیا اصول قرار دیا جا رہا ہے۔ یہ اصول ہمیشہ سے موجود ہے۔ اور جس طرح ہم اب سے آٹھ سو برس پہلے صرف انہی احادیث کو تسلیم کرتے تھے، جو قواعد مقررہ فن سے ثابت ہو جائیں۔ اسی طرح آج بھی صرف انہی روایتوں کو تسلیم کریں گے جو خود ان روایات کے جمع کرنے والوں کے مقررہ اصول کے مطابق ثابت کر دی جائیں۔

یہ بالکل ایک کھلی ہوئی بات ہے۔ علی الخصوص کتب تفسیر و سیرت و مغازی اور قصص انبیاء سابقین و اسرائیلیات کے متعلق ابتدا سے ائمہ فن نے یہی رائے دی ہے۔ اور حضرت امام احمدؒ کے زمانے سے جبکہ انہوں نے "ثلاثۃ کتب لیس لہا اصل۔ المغازی و الملاحم و التفسیر" کہا تھا۔ حفاظ حدیث کے آخری عہد تک جبکہ ابن حجر۔ ابن تیمیہ۔ ابن قیم اور حافظ ذہبی رحمہم اللہ نے کتابیں تصنیف کیں۔ تمام محققین فن کا طرز عمل اسی کا مؤید رہا ہے۔

(خلاصۂ مطلب)

پس ضرور ہے کہ اس امر کو اچھی طرح معترضین اسلام پر واضح کر دیا جائے اور اس کے اصول و قواعد ان کے سامنے پیش کر دیئے جائیں۔ اس کے بعد ان سے بحث کی جائے۔ اگر ایسا کیا جائے۔ تو

کا کیا حال ہے؟

امام ابن تیمیہ سے بڑھ کر فن حدیث کا اور کون حامی اور غواص ہوگا۔ جنھوں نے اس راہ میں بے شمار متاعب و شدائد بھی فقہاء متقشفین کے ہاتھوں برداشت کئے۔ مگر جن خوش نصیبوں کو امام موصوف کی تصنیفات کے مطالعہ کرنے کی توفیق ملی ہے وہ اندازہ کرسکینگے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ منہاج السنہ وغیرہ میں صحاح کی متعدد احادیث کو انھوں نے صاف صاف رد کردیا ہے۔

یہ ہمارے پاس علامہ ابن قیم کی زاد المعاد اور اعلام الموقعین وغیرہ مصنفات شہیرہ موجود ہیں۔ ایک نہیں متعدد مقامات پر علامہ موصوف ان کتابوں کی بیان کردہ احادیث کو بلا تکلف رد کردیتے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ کتب صحاح کی مرویات پر بھی روایت و درایت کے مقررہ اصول کے بموجب نظر انتقاد ڈالتے ہیں۔ اور کسی سے استدلال کرتے ہیں۔ اور کسی کو اعتماد کے لئے غیر مفید بتلاتے ہیں۔ پھر فقہا حنفیہ کا طرز عمل تو اس بارے میں ایک صاف شہادت ہے جو احادیث صحیحین تک کو بلا تکلف اپنے قیاس و درایت کے مقابلہ میں تسلیم نہیں کرتے۔

پس یہ ایک صریح اور مسلم بات ہے کہ احادیث کے تسلیم کرنے کے لئے طریق نقد و نظر سے کام لینا ضروری اور ناگزیر ہے۔ اور اس بارے میں ہمیشہ اکابر فن کا یکساں طرز عمل رہا ہے۔ اس امر کے لئے

دشمنوں کے مقابلے میں ایسا اسلحہ اٹھایا جائے۔ جس کا پہلا وار خود
اپنے ہی گردن پر پڑے۔

جبکہ ہم اصول و قواعد فن کے مطابق چل کر بعینہٖ وہی مقصد
حاصل کرسکتے ہیں۔ جو ان لوگوں کے پیش نظر ہے۔ تو پھر اس کی کیا
ضرورت ہے کہ محض اپنے فہم و قیاس شخصی کا نام "درایت و احتجاج
عقلی" رکھکر اُن علوم مسلمہ اسلامیہ کی تضعیف و تحقیر بل انکار و
انہدام کے درپے ہو جائیں۔ جو خزائن امت کا راس المال و
اشرف ترین مصادر علوم دینیہ و سرچشمہ معارف و حقائق اسلامیہ
و تاریخ صدر اول و سیرت حضرت ختم المرسلین ہے۔ اور جس کے
لئے خود صحابہ و تابعین۔ ائمہ مہتدین۔ اور تمام سلف صالح۔ بل
اجماع جمیع اُمت مرحومہ من بدایۃ عہدہا الی زماننا ہذا
قولاً و فعلاً ہمارے سامنے موجود ہے۔ درحقیقت ایسا کرنا اصول
متفقہ امت اور مصادر شریعت و علوم شرعیہ میں ایک سخت
اختلال و اغتشاش پیدا کرنا ہے جس کا نتیجہ مہلک اور جسکے عواقب
فساد آلود ہیں۔

باوجود اس واقفیت کے جو مجھے معترضین کے ذخیرہ کثیرہ مطاعن و معائب سے ہے۔ اور باوجود اُن مشکلات کا کامل اندازہ کرنے کے جو ہمارے نئے مصلحین و مجتہدین اور متکلمین قرن حاضر کو ردّ مطاعن اور دفع اعتراضات و شکوک میں پیش آئی ہیں۔ میں پورے طمانیت قلب اور وثوق کامل کے ساتھ کہتا ہوں کہ احادیث معتبرہ کی بنا پر کوئی دقّت ہمیں اس راہ میں پیش نہیں آئیگی۔ اور نئے اجتہادات و تجدیدات کا طوفان مہلک و ہادم اٹھانے کی بالکل ضرورت نہ ہوگی۔

یہی وہ مقام ہے۔ جہاں آکر باوجود اتحاد مقصد و علم ضرورت مجھے نئے مصلحین متفرنجین سے علیحدہ ہو جانا پڑتا ہے۔ اور باوجود ان کے کاموں سے غیر جامدانہ و غیر متقشفانہ واقفیت کے۔ میرے دل میں ان کے لئے کوئی حسن اعتقاد و اعتماد پیدا نہیں ہوتا۔ بلاشبہ ضرورتیں شدید اور نظر و تحقیق کی داعیات ناگزیر ہیں۔ یقیناً ہمارا مقابلہ سخت اور بہت سے عوارض و جزئیات میں بالکل نئے قسم کا ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ جو لوگ سب سے پہلے حریف کے وجود سے خبردار ہوئے۔ اور میدان کارزار میں نکلے۔ ان کی مستعدی و ہوشیاری اور سعی و محنت کا پوری طرح اعتراف کرنا چاہیئے۔ لیکن تاہم ان میں سے کوئی بات بھی اس کے لئے مستلزم نہیں ہے کہ ناواقفیت کو مجتہد العصر اور لاعلمی و بے خبری کو صاحب الامر تسلیم کر لیا جائے۔ اور بلا ضرورت

قرآن کریم کی یہ آیت کریمہ ہے:

للذین یولون من نسائھم تربص اربعۃ اشہر۔ فان فاءو فان اللہ غفور رحیم۔ و ان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم (بقرہ: ع-۲۸) جو لوگ اپنی بیوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں۔ اُن کے لئے چار مہینے کی مہلت ہے۔ اگر اس عرصے میں رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر طلاق کا ارادہ کر لیں تو بھی اللہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔

اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہؤا کہ جو لوگ ایلاء کریں۔ یعنے اپنی بیوی سے علیحدگی کی قسم کھا بیٹھیں۔ انہیں چار مہینے کے اندر ملاپ کر لینا چاہیئے۔ اگر انہوں نے ایسا کیا تو ایلاء ساقط ہو جائیگا۔ البتہ قسم کا کفارہ دینا پڑیگا۔ اس امر میں اختلاف ہے کہ اگر شوہر نے چار ماہ کے اندر رجوع نہ کیا تو محض ایلاء کی مدت کے اختتام سے طلاق پڑ جائیگی یا نہیں؟ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ اس صورت میں بھی طلاق نہیں پڑتی۔ اور عورت مرد سے نہیں چھوٹتی۔ اگر مرد عورت کو بالکل معلق چھوڑ دینا چاہے گا۔ تو اُسے قید رکھا جائیگا۔ یہاں تک کہ عورت کی طرف رجوع کرے۔ یا طلاق دے کر فیصلہ کرے مگر فقہا حنفیہ کے نزدیک محض انقضائے مدت ہی عورت کے حق میں طلاق بائنہ ہے۔

اصل مسئلہ مسئولہ عنہا

یہاں تک تو صرف اس ٹکڑے کا جواب تھا۔ جو جناب نے احادیث کے اعتماد و عدم اعتماد کی نسبت دریافت فرمایا تھا۔ اور جو ضمناً اصول رد و دفاع منکرین اسلام کے متعلق ایک نہایت اہم اور وقت کی بحث تھی۔ اب آپ کے اصل سوال کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔

آپ کے نوجوان دوست کے مسیحی معلم نے جس واقعہ کو اپنی معاندانہ و ابلیسانہ تحریف و اضافہ کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ دراصل آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک کے اُس واقعہ سے تعلق رکھتا ہے۔ جو کتب تفسیر و سیرت میں "واقعہ ایلاء و تخییر" کے نام سے مشہور ہے۔

(۱) "ایلاء" اصطلاح فقہ و حدیث میں شوہر اور بیوی کی اُس علیحدگی کو کہتے ہیں جو بغیر طلاق کے عمل میں آئے اور جس کی صورت یہ ہے کہ شوہر غصہ کی حالت میں کوئی قسم کھا بیٹھے کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤنگا۔ اسکا ماخذ

کے عرض کرونگا۔

(ازواج مطہرات کا مطالبہ)

(۴) اگر کسی مدعی انسان کی زندگی کے حالات و واقعات اس کی صداقت و تقدیس کے لئے معیار ہو سکتے ہیں۔ تو اس آسمان کے نیچے فی الحقیقت ایک ہی انسانی زندگی ہے۔ جس کے سوانح و حالات میں سے ہر شے اُس کے صداقت و ربانیت کے لئے معجزات قاہرہ و براہین قاطعہ ہیں۔ یعنی محمد رسول اللہ والذین معہ۔ جس وجود اقدس کے ظہور نے دنیا کی بڑی بڑی شہنشاہیوں کو نابود کر دیا۔ جس کی ہیبت الٰہی اور سطوت ربانی کے آگے تاجداران عالم کے تخت اُلٹ گئے۔ جس کے غلاموں کے سامنے کسرےٰ کا خزانہ آنے والا۔ اور قیصر کا خراج پہنچنے والا تھا۔ جو اپنی حیات طیبہ ہی کے اندر عرب و یمن کی شہنشاہی کو اپنے قدموں پر دیکھتا تھا اور فی الحقیقت جس کے لئے دنیا کے تمام خزانے اور طاقتیں وقف۔ اور جسکی مرضی کے لئے رب السمٰوات والارض کی تمام پیدا کردہ قوتیں سربسجود تھیں۔ با ایں ہمہ اس نے خود اپنے لئے جو دنیوی زندگی اختیار کی تھی۔ اس کا حال یہ تھا کہ تمام عمر کبھی بھی دونوں وقت شکم سیر ہو کر غذا تناول نہ فرمائی۔ اور دو دو دن تک آپ کے حجرۂ فقر میں غذا کی تیاری کے نشانات یکسر معدوم و مفقود رہے۔ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی ایک مرتبہ ایلاء کی صورت پیش آئی۔ آپؐ نے عہد فرمایا تھا کہ ایک ماہ تک ازواج مطہرات سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے۔ واقعہ ایلاء سے یہی واقعہ مقصود ہے اور یہی شان نزول ہے۔ آیات سورہ تحریم کا۔

(۳) یہ واقعہ بہ تفصیل صحاح ستہ میں موجود ہے۔ اور علی الخصوص صحیحین کے مختلف ابواب وکتب میں متعدد روایات واسانید سے بیان کیا گیا ہے۔ چونکہ اس واقعہ کی مختلف حیثیتیں تھیں۔ اور مختلف قسم کے احکام ان سے نکلتے تھے۔ اس لئے حضرت امام بخاری (رضی اللہ عنہ) نے اپنی عادت کے مطابق مختلف ابواب میں اسے درج کیا ہے۔ اور مختلف احکام نکالے ہیں۔ ابواب نکاح وطلاق اور ایلاء میں تو اصلی حیثیت سے آیا ہے۔ مگر کتاب التفسیر میں بہ ضمن سورہ تحریم کیونکہ اس کا شان نزول یہی واقعہ ہے۔

میں نے ان تمام ابواب کی احادیث پیش نظر رکھی ہیں۔ نیز صحیح مسلم۔ بقیہ کتب صحاح۔ تفسیر امام طبری۔ ابن کثیر۔ اور در منثور بھی سامنے ہیں۔ صحیحین کی شروح میں سے فتح الباری۔ عینی اور نووی شرح مسلم بھی پیش نظر ہیں۔ ان سب سے جو مشترک اور صحیح واقعہ ثابت ہوتا ہے۔ پہلے اسے بیان کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ کے پیش کردہ واقعہ کی نسبت مع بعض اہم متعلقہ مباحث

آپ کی ازواج مطہرات پر پڑتا تھا جنہوں نے گو دنیوی جاہ وجلال پر اس محبوب رب العالمین کے حجرۂ فقر و فاقہ کو ترجیح دی تھی۔ تاہم وہ انسان تھیں۔ انسانی خواہشیں اور ضرورتیں رکھتی تھیں۔ عیش و آرام کے ساز و سامان نہ سہی۔ لیکن ایک فقیرسے فقیر زندگی کے لئے بھی کچھ نہ کچھ سامان حیات و منزل کی ضرورت ہوتی ہے؛ اس کا خیال تو انہیں ضرور رہتا تھا۔ ان میں سے اکثر بی بیاں ایسی تھیں جو امارت و ریاست کے گھروں میں پرورش پا چکی تھیں۔ اور ان کے ماں باپ امرا و رؤسا وقت میں محسوب تھے۔ حضرت صفیہؓ خیبر کے امیر اعظم کی صاحبزادی تھیں۔ جو ایک طرح کا شاہی اقتدار رکھتا تھا۔ حضرت ام حبیبؓہ ابوسفیان کی صاحبزادی تھیں جو اپنے عہد میں جمہوریت حجاز کا پریسیڈنٹ تھا۔ اور قریش کی پوری ریاست رکھتا تھا۔ اسی طرح حضرت جویریؓہ ایک بڑے قبیلہ کے رئیسِ وقت کی بیٹی تھیں۔ جس کا نام غالباً (اس وقت ٹھیک یاد نہیں) نبو المصطلق تھا۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ بھی ایسے گھروں میں پرورش پائی ہوئی تھیں۔ جنہوں نے گو اپنے مال و متاع کو راہ محبت الٰہی میں لٹا دیا ہو۔ مگر صاحب مال و جاہ اور دارائے شوکت و احتشام ضرور تھے۔ یعنے حضرت ابوبکر صدیقؓ و عمر فاروق رضی اللہ عنہما۔

یہ تمام خواتین محترمہ آنحضرتؐ کے گھر میں آ بیٹھیں۔ اور اپنے قدیمی

اس بارے میں تصریحات سیرت و احادیث اس درجہ مشہور ہیں کہ یہاں دہرانے کی ضرورت نہیں۔ بسا اوقات ایسا ہوتا تھا کہ مہمان آجاتے تھے۔ اور آپ کا مطبخ کئی کئی وقتوں سے بالکل سرد ہوتا تھا حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ مجھے یاد نہیں کہ کوئی دن آنحضرتؐ پر ایسا کٹا ہو کہ صبح و شام دونوں وقت شکم سیر ہو کر غذا میسر آئی ہو۔

اس روح الٰہی اور پیکر صفات ربانی کی غذا اس خاکدان ارضی پہ نہ تھی جس کی اُسے آرزو اور جستجو ہوتی۔ اس کا سفرہ لذائذ و نعائم وہاں بچھتا تھا۔ جہاں کے لئے جسم کی تشنگی آب زلال اور معدہ کی بھوک غذائے حیات ہے۔ کہ

ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی (رواہ البخاری) میں اپنے پروردگار کے ہاں شب باش ہوتا ہوں۔ جو مجھے کھلاتا ہے۔ اور سیراب کرتا ہے۔

ابتدائی فتوحات اسلامیہ کا دائرہ روز بروز وسیع ہوتا جاتا تھا۔ اور مال غنیمت اس کثرت اور افراط سے آتا تھا کہ اس کا صرف ایک حصہ پاکر عام مسلمان خوشحال و صاحب مال بن جاتے تھے۔ مگر خود اس سلطان کونین اور محبوب رب المشرقین کو ایک فقیر الحال زندگی کی بھی ضروریات و مایحتاج حاصل نہ تھیں۔

(۵) ان حالات کو صحابہ کرام دیکھتے تھے۔ اور جوش محبت و جاں نثاری سے بیقرار ہو ہو جاتے تھے۔ سب سے زیادہ اس کا اثر

ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبکما وان تظاھرا علیہ فان اللہ ھو مولاہ وجبریل وصالح المومنین والملٰئکۃ بعد ذالک ظھیر۔ اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو۔ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ تمہارے دل مائل ہو چکے ہیں۔ اور اگر رسولؐ اللہ کے مقابلہ میں ایکا کرو گے تو جان لو کہ خدا ان کا مددگار ہے۔ جبریل اور نیک مسلمان بھی انہی کے ساتھ ہیں۔ اور سب کے بعد ملائکہ الٰہی بھی انہی کے مددگار ہیں"۔

اس آیت میں تثنیہ کا صیغہ "ان تتوبا" اور "قلوبکما" میں آیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایکا کرنے والیں دو بی بیاں تھیں۔ لیکن نام کی تصریح نہیں ہے۔ اس بارے میں اختلافات حدیث کا ذکر آگے آئیگا۔ لیکن ارجح خبر یہی ہے کہ وہ دو بی بیاں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ تھیں۔ جیسا کہ خود حضرت عمرؓ نے حضرت ابن عباسؓ سے فرمایا۔

(۸) غرضکہ ازواج مطہرات کا یہ مطالبہ غیر معمولی طور پر سخت ہوا۔ اور آنحضرتؐ کے سکون خاطر اور حیات فقر اور استغنا پر بہت بار گذرا۔ ان کی زندگی روحانی استغراق اور اصلاح عالم و انسانیت کے مہمات مقاصد سے اس طرح لبریز تھی کہ اس میں اس فکر مال و اسباب دنیوی کو گنجائش نہیں ملسکتی تھی

شان و شکوہ دنیوی کو ان کی عظمت و سطوت روحانی کے آگے بھول گئیں۔ تاہم وہ بشر تھیں۔ اور ضرورتیں رکھتی تھیں۔ ہر بیوی کو دوسری بیوی کے مقابلہ میں اقتضائے طبیعت نسائیت سے اپنی حالت کی بہتری و رفعت کا بھی خیال ہوتا تھا۔ عام مسلمانوں اور صحابہ کو مال و متاع غنیمت سے آسودہ حال دیکھتی تھیں۔ اور مال غنیمت میں اپنے لئے کچھ نہ پاتی تھیں۔ ان تمام حالات کا قدرتی نتیجہ یہ تھا کہ انہیں اپنی تنگ دستی اور غربت و فقر کا احساس ہوتا۔ اور چونکہ شہنشاہ تمام دنیا کو سب کچھ دے رہا تھا۔ اس سے کچھ نہ کچھ اپنے لئے بھی مانگتیں۔ علی الخصوص جبکہ اس کی محبت و عشق کا ان میں سے ہر ایک کو ناز تھا۔ اور جو کچھ اپنے لئے مانگنے والی تھیں وہ بھی دراصل اسی کے لئے طلب کرنا تھا۔

(۶) چنانچہ ازواج مطہرات کی طرف سے آپ پر توسیع نفقہ کے لئے تقاضے شروع ہوئے۔ اور ایک مرتبہ تمام بی بیوں نے مل کر زور ڈالا کہ ہماری حالت اس فقر و غربت میں کیسے بسر ہو سکتی ہے؟ آپ کو سب کا خیال ہے مگر خود اپنے گھر کا خیال نہیں ہماری ضرورتوں کے پورے کرنے کا بھی کچھ سامان کیجئے۔

(۷) یہ مطالبہ اگرچہ تمام بی بیوں کی طرف سے تھا مگر دو بی بیوں نے خاص طور پر باہم ایکا کر کے زور ڈالا تھا کہ ہماری معروضات پوری کی جائیں۔ چنانچہ انہی کی نسبت سورہ تحریم کی یہ آیت نازل ہوئی:۔

سے ملتے ہیں ۔ اور اسی کے متعلق بعض روایات کتب تفسیر و سیر
میں درج ہو گئی ہیں ۔ جن کو ایک مسخ و بدنما شکل میں اعداء اسلام
نے بیان کیا ہے ۔ اور جس کی نسبت آپ نے دریافت فرمایا ہے۔
تفصیلی بحث ان روایات مختلفہ پر آگے آئیگی ۔ یہاں صرف
اصلی اور محقق واقعہ کو بیان کر دیتا ہوں۔

بخاری و مسلم کے ابواب نکاح و طلاق و تفسیر میں یہ واقعہ بالکل
صاف اور غیر پیچیدہ موجود ہے۔

ان احادیث کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا قاعدہ تھا عصر
کے بعد ازواج مطہرات کے ہاں تھوڑی تھوڑی دیر کے لئے
تشریف لایا کرتے تھے ۔ ایک بار آپ کئی دن تک حضرت زینبؓ
کے ہاں معمول سے زیادہ بیٹھے ۔ حضرت عائشہؓ نے اس کا سبب
دریافت کیا ۔ معلوم ہوا کہ آپ کو شہد اور شیرینی بہت پسند ہے
حضرت زینبؓ کے پاس کہیں سے شہد آگیا ہے ۔ وہ آپکی خدمت
میں پیش کرتی ہیں ۔ اس کے تناول فرمانے میں معمول سے زیادہ
دیر ہو جاتی ہے۔

رشک اور غیرت محبت جنس اناث کا وہ فطری جذبہ ہے ۔
جس کے آگے کسی جذبے کی نہیں چلتی ۔ حضرت عائشہؓ کو یہ معلوم
کر کے باقتضاء ضعف بشریت رشک ہوا ۔ وہ سمجھ گئیں کہ حضرت
زینبؓ نے یہ تدبیر آنحضرتؐ کو زیادہ عرصے تک ٹھیرانے کی نکالی

(شان نزول لم تحرم ما احل اللہ)

(۹) اسی اثنا میں ایک اور رنجدہ واقعہ بھی پیش آیا۔ جو گو ایک بالکل علیحدہ اور مستقل واقعہ ہے۔ مگر اس کے امتزاج و خلط نے واقعہ ایلا میں پیچیدگیاں پیدا کر دی ہیں۔ یعنی سورہ تحریم کی ان ابتدائی آیات کا شان نزول :-

یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک تبتغی مرضات ازواجک؟ واللہ غفور رحیم۔ قد فرض اللہ لکم تحلۃ ایمانکم واللہ مولاکم وھو العلیم الحکیم (۶۶-۱) اے پیغمبر! تم اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے اُس چیز کو اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہو جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کر دی ہے؟ اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے۔ بیشک اللہ نے تمہارے لئے یہ فرض کر دیا ہے کہ اپنی قسموں کو کھولدو۔ وہ تمہارا دوست ہے۔ اور سب باتوں کو جاننے والا اور ان کی حکمتوں پر نظر رکھنے والا۔

ان آیات کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی ایسی بات اپنے اوپر حرام کر لی تھی جو اللہ کی طرف سے حلال تھی۔ اور اس کے لئے کوئی قسم بھی کھائی تھی۔ نیز یہ کہ صرف اپنی ازواج کی خوشی کے لئے ایسا کیا تھا۔

(۱۰) وہ کیا بات تھی؟ کس بات کے لئے قسم کھائی تھی؟ ازواج کی خوشی کو اُس سے کیا تعلق تھا؟ ان سوالات کے جوابات احادیث

یہ واقعہ خود حضرت عائشہؓ کی روایت سے امام بخاری نے کتاب الطلاق اور کتاب التفسیر سورہ تحریم میں درج کیا ہے۔

قالت (عائشہ) کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشرب عسلا عند زینب ابنۃ جحش ویمکث عندھا فواطیت انا و حفصۃ عن ایتنا دخل علیہا فلتقل لہ اکلت مغافیر؟ انی اجد ریح مغافیر- قال لا ولکنی کنت اشرب عسلا عند زینب حلفت فلن اعود لہ وقد حلفت - لا تخبری بذالک (بخاری کتاب التفسیر جز ۲۰ صفحہ ۱۵۳ مطبوعہ مصر) حضرت عائشہؓ کہتی ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زینب بنت جحش کے یہاں شہد نوش فرماتے اور دیر تک ٹھیرتے تھے۔ اس پر میں نے اور حفصہ نے یہ قرارداد کی کہ جب آنحضرتؐ ہم میں سے کسی کے یہاں تشریف لائیں تو کہیں کہ کیا آپؐ نے مغافیر کھایا ہے؟ اس کی بو آپ کے منہ سے آرہی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا آنحضرتؐ نے یہ سنکر فرمایا کہ مغافیر تو میں نے نہیں کھایا۔ البتہ زینبؓ کے ہاں شہد کھایا ہے۔ اب میں قسم کھاتا ہوں کہ آئندہ کبھی نہ کھاؤنگا مگر تم اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔

لیکن بخاری کے باب الطلاق میں "ہشام بن عروہ عن ابیہ عن عائشہ" کی روایت سے ایک دوسری حدیث بھی موجود ہے۔ جو اس سے زیادہ مفصل اور بعض جزئیات میں مختلف ہے۔ مثلاً حضرت زینبؓ کی جگہ شہد کا کھانا خود حضرت حفصہؓ کے ہاں بیان کیا ہے۔

ہے۔ پس کوئی نہ کوئی تدبیر اس کے توڑنے کی بھی کرنی چاہئے۔

انہوں نے ایک تدبیر سوچی اور حضرت حفصہؓ بھی اس میں شریک ہوگئیں۔ قرار پایا کہ آنحضرتؐ جب وہاں سے اُٹھکر ہمارے یہاں آئیں تو کہنا چاہئے کہ آپ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے۔ مغافیر ایک قسم کا درخت ہوتا ہے۔ جس کے پھولوں سے عرب کی مکھیاں رس چوس کر شہد جمع کرتی ہیں۔ اس کا پھل لوگ کھاتے بھی ہیں۔ مگر اس کی بُو اچھی نہیں ہوتی۔

اس کے بعد اس تدبیر کی اور بی بیوں کو بھی خبر دیدی گئی۔ اور وہ بھی اس میں شریک ہوگئیں۔

چنانچہ آنحضرتؐ حسب معمول جب حضرت حفصہؓ کے ہاں تشریف لائے تو انہوں نے کہا۔ کیا آپؐ نے مغافیر کھایا ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں۔ اس پر انہوں نے کہا کہ آپؐ کے منہ سے تو مغافیر کی بو آرہی ہے۔

اور بی بیوں نے بھی مغافیر کی بو کا آنا ظاہر کیا۔ یہ دیکھکر آپؐ نے قسم کھائی کہ آیندہ شہد نہ کھاؤنگا۔ شہد ایک حلال غذا تھی۔ اور اس کے نہ کھانے کی قسم کھانا ایک حلال شے کو اپنے اوپر حرام کرلینا تھا۔ پس سورہ تحریم کی یہ آیت نازل ہوئی کہ "لم تحرم ما احل اللہ لک؟" آپ اس شے کو کیوں اپنے اوپر حرام کرتے ہیں جو خدا نے آپؐ کے لئے حلال کردی ہے؟

بہ قالت من انباک ھذا؟ قال نبانی العلیم الخبیر۔ اورجبکہ پیغمبرؐ نے اپنی بعض بیویوں سے ایک راز کی بات کہی اور اس نے فاش کردی۔ اور خدا نے پیغمبرؐ کو اس کی خبر دیدی تو انہوں نے اس میں سے کچھ حصہ بیان کیا۔ اور کچھ چھوڑ دیا۔ یہ سنکر اس بیوی نے پوچھا کہ آپ کو کس نے اس کی خبر دی؟ فرمایا کہ اس خدا نے جس کے علم اور خبرۃ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں۔

بخاری ومسلم کی تمام روایات کے جمع کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ "بعض ازواجہ" سے یہاں مقصود حضرت حفصہؓ ہیں۔ انہوں نے ہی حضرت عائشہ سے راز کہدیا تھا۔ اس میں بعض جزئی اختلافات بھی ہیں جن پر حافظ ابن حجر نے مفصل بحث کی ہے۔ لیکن محقق وارجح یہی ہے کہ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ ہی سے اس کا تعلق ہے۔ جن حضرات کو یہ بحث تفصیل سے دیکھنا ہو۔ وہ فتح الباری جلد (۹) شرح کتاب الطلاق صفحہ (۲۹۳) کو ملاحظہ فرمائیں۔ ہم اختصار کے لئے مجبور ہیں۔ البتہ اس واقعہ کے بعض اہم متعلقات ومباحث آگے آئینگے۔

(عہد ایلاء اور سی روزہ علیحدگی)

(۱۳) غرضکہ توسیع نفقہ کے لئے تمام ازواج نے متفق ہوکر اصرار کرنا شروع کیا۔ آنحضرت صلعم کے استغراق روحانی پر یہ دنیا طلبی اس قدر شاق گذری کہ آپ نے عہد کرلیا کہ ایک ماہ تک تمام

اور حضرت سودہ کی نسبت کہا ہے کہ سب سے پہلے انہوں نے مغافیر کی بو کی نسبت کہا تھا۔ روایت بالا میں صرف حضرت عائشہؓ اور حفصہؓ کا ذکر ہے۔ لیکن اس میں بیان کیا گیا ہے کہ اور بی بیوں کو بھی اس کی خبر دیدی گئی تھی۔ اور آنحضرتؐ اُس دن جس کے ہاں تشریف لے گئے۔ اس نے یہی بات کہی کہ مغافیر کی بو آتی ہے۔ ایسا ہونا درایتاً بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اکثر بی بیوں نے مل کر فرداً فرداً کہا ہوگا جبھی تو آپؐ نے قسم کھالی۔ ورنہ صرف ایک بی بی کے کہنے سے قسم کھا لینا مستبعد معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے بعض ضروری جزئیات اس روایت سے بھی لے لی ہیں۔ اور سب کا مشترک ماحصل بیان کردیا ہے۔ حافظ ابن حجر نے فتح الباری میں اس اختلاف پر نہایت عمدہ بحث کی ہے۔ اور وجوہ تطبیق بیان کردیئے ہیں۔ خوف طوالت سے ہم نقل نہیں کرسکتے۔ (دیکھو فتح الباری جلد ۹ صفحہ ۳۲۹ مطبوعہ مصر)

(۱۱) اسی اثنا میں ایک اور واقعہ پیش آیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواج سے کوئی راز کی بات فرمائی۔ اور تاکید کردی کہ اس کا ذکر اور کسی سے نہ کرنا۔ لیکن اُن سے ضبط نہ ہوسکا۔ اور ایک دوسری بیوی سے ذکر کردیا۔ اسی کے متعلق سورہ تحریم کی یہ آیت نازل ہوئی۔

واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثاً فلما نبأت بہ واظہرہ اللہ علیہ عرف بعضہ واعرض عن بعض فلما نبأھا

تمام سوالوں کا مفصل جواب اُس مشرح و مطول روایت میں ہے جو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے صحیحین میں منقول ہے۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ وہ پوری حدیث یہاں نقل کردیں۔ اور خود حضرت فاروقؓ کی زبانی اس تمام واقعہ کو ذکر کیا جائے۔ یہ روایت صحیح بخاری میں مختلف طریقوں سے مروی ہے۔ اور مختلف ابواب میں اس سے استخراج نتائج و معارف کیا گیا ہے۔ امام مسلم نے بھی چار مختلف طریقوں سے کتاب الطلاق میں درج کی ہے۔ بالاتفاق اس کے راوی اول حضرت عبد اللہ ابن عباس ہیں۔ اور ان سے عبید بن حنین۔ سماک ابی زمیل۔ اور عبید اللہ بن ابی ثور وغیرہ نے روایت کی ہے۔ ان روایات میں ایک متفق روایت عبید بن حنین کی ہے۔ جو حضرت عباس کے غلام تھے۔ ہم اسی روایت کو یہاں پہلے نقل کردیتے ہیں:۔

"عن عبید بن حنین انه سمع ابن عباس رضی الله عنهما یحدث انه قال۔ مکثت سنة ارید ان اسال عمر بن الخطاب عن اية فما استطیع ان اسأله هيبة له حتی خرج حاجا فخرجت معه۔ فلما رجعت وكنا ببعض الطريق۔ عدل الی الاراک لحاجة له۔ قال۔ فوقفت له حتی فرغ ثم سرت معه۔ فقلت یا امیر المومنین من اللتان تظاهرتا علی النبی صلی الله علیه وسلم من ازواجه؟ فقال تلك حفصة وعائشة۔ قال فقلت

بیویوں سے کوئی تعلق نہ رکھینگے۔

جب کچھ زمانہ اس علیحدگی پر گذر گیا تو صحابہ کرام کو سخت تشویش ہوئی۔ ان میں سے اکثر کو خیال ہوا کہ عجب نہیں۔ آپؐ نے تمام ازواج کو طلاق دے دی ہو۔ مگر ہیبت نبوت و سطوت رسالت اجازت نہیں دیتی تھی کہ اس بارے میں آپؐ سے سوال کیا جائے۔ حتیٰ کہ خاص صحابہ و مقربین بارگاہ رسالت بھی دم بخود اور خاموش تھے۔

(۱۳) ہوا اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپؐ گھوڑے سے گر پڑے اور ساق مبارک پر زخم آگیا۔ جس کی تکلیف چلنے پھرنے سے مانع تھی۔ اس لئے کئی روز تک آپؐ بالاخانے سے اتر کر مسجد میں بھی تشریف نہ لاسکے۔ صحابہؓ دریافت حال کو آتے تو وہیں بیٹھ کر نماز پڑھ لیتے۔

جب ایک مہینے کے قریب مدت اسی حالت میں گذر گئی تو صحابہؓ کی تشویش اور زیادہ بڑھ گئی۔ اور ان حالات کو دیکھکر اکثروں کو یقین ہوگیا کہ آپؐ نے طلاق دے دی ہے۔ اور اب ازواج مطہرات سے نہیں ملیں گے۔

(حدیث عمر فاروق رضؓ)

(۱۴) یہ حالت کیونکر ختم ہوئی؟ کس کی جرأت محبت و بیانہ نے اس تشویش کا خاتمہ کیا؟ اور کیونکر آیت تخییر نازل ہوئی۔ ان

فخرجت من عندها وكان لي صاحب من الانصار اذا غبت
اتاني بالخبر واذا غاب كنت انا آتيه بالخبر ونحن نتخوف
ملكا من ملوك غسان ذكر لنا انه يريد ان يسير الينا فقد
امتلأت صدورنا منه - فاذا صاحبي الانصاري يدق الباب
فقال افتح افتح فقلت جاء الغساني؟ فقال بل اشد من ذالك
اعتزل رسول الله صلى الله عليه وسلم ازواجه - فقلت رغم
انف حفصة وعائشة - فاخذت ثوبي فأخرج حتى جئت فاذا
رسول الله صلى الله عليه وسلم في مشربة له يرقى عليها بعجلة
وغلام لرسول الله صلى الله عليه وسلم اسود على راس الدرجة
فقلت له قل هذا عمر بن الخطاب فاذن لي - قال عمر فقصصت
على رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا الحديث - فلما بلغت
حديث ام سلمة تبسم رسول الله صلى الله عليه وسلم - وانه
لعلى حصير ما بينه وبينه شئ وتحت راسه وسادة من ادم
حشوها ليف وان عند رجليه قرظاً مصبوباً وعند راسه
اهب معلقة فرأيت أثر الحصير في جنبه فبكيت فقال
يبكيك؟ فقلت يا رسول الله! ان كسرى وقيصر فيما هما
فيه وأنت رسول الله فقال اما ترضى ان تكون لهم
الدنيا ولنا
الآخرة؟"

والله ان كنت لاريد ان اسالك عن هذا منذ سنة - فما
استطيع هيبة لك - قال :- فلا تفعل ما ظننت ان عندي من
علم فاسالني - فان كان لي علم خبرتك به - قال ثم قال عمرؓ -
والله ان كنا في الجاهلية ما نعد للنساء امراً حتى انزل الله
فيهن ما انزل - وقسم لهن ما قسم - قال :- فبينا انا في امر اتامره
اذ قالت امرأتي لو صنعت كذا وكذا قال :- فقلت لها مالك
ولما ههنا فيما تكلفك في امر اريده ؟ فقالت لي عجباً لك يا ابن
الخطاب ! ما تريد ان تراجع انت وان ابنتك لتراجع رسول الله
صلى الله عليه وسلم حتى يظل يومه غضبان ! فقام عمر فأخذ
رداءه مكانه حتى دخل على حفصة - فقال لها يا بنية - انك
لتراجعين رسول الله صلى الله عليه وسلم حتى يظل يومه
غضبان ؟ فقالت حفصة - والله انا لنراجعه فقلت تعلمين
اني احذرك عقوبة الله وغضب رسوله صلى الله عليه و
سلم - يا بنية لا تغرنك هذه التي اعجبها حسنها حب رسول
الله صلى الله عليه وسلم اياها يريد عائشة ، قال ثم خرجت
حتى دخلت على ام سلمة لقرابتي منها فكلمتها - فقالت ام
سلمة - عجباً لك يا ابن الخطاب ! دخلت في كل شي حتى تبتغي
ان تدخل بين رسول الله صلى الله عليه وسلم و ازواجه ؟
فاخذتني والله اخذاً كسرتني عن بعض ما كنت اجد -

پوچھنے کی نوبت نہیں آتی تھی۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت عمرؓ حج کے لئے نکلے۔ اور میں بھی ان کے ہمراہ روانہ ہوا۔ جب حج سے فارغ ہو کر ہم لوگ واپس آ رہے تھے۔ تو راستے میں ایک اچھا موقعہ گفتگو کا میسر آ گیا۔ اور میں نے اس مہلت کو غنیمت سمجھ کر اپنے قدیمی ارادے کو پورا کرنا چاہا۔ میں نے عرض کیا کہ امیرالمومنین آنحضرتؐ کی وہ کون دو بیویاں تھیں۔ جنہوں نے اپنے مطالبات کے لئے ایکا کر کے آنحضرتؐ پر زور ڈالا تھا۔ اور جس کا ذکر خدا تعالےٰ نے "وان تظاھرا علیہ" میں کیا ہے؟

حضرت عمرؓ نے فرمایا "عائشہ اور حفصہ" اس پر میں نے کہا کہ واللہ میں ایک سال سے ارادہ کر رہا تھا کہ اس بارے میں آپؐ سے پوچھوں مگر آپؓ کے رعب سے میری زبان نہیں کھلتی تھی۔

حضرت عمرؓ نے کہا اس کا کچھ خیال نہ کرو۔ جو بات مجھے معلوم ہے میں بیان کرنے کے لئے موجود ہوں۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اس واقعہ پر ایک مفصل و مشرح تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ "ایام جاہلیت میں ہم لوگوں کا عورتوں کے ساتھ یہ سلوک تھا کہ کسی طرح کے حقوق انہیں حاصل نہ تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ عورتیں کوئی چیز نہیں ہیں۔ لیکن جب اسلام آیا اور اللہ تعالےٰ نے ان کے حقوق کے متعلق آیات نازل کیں۔ اور ان کا حق ہم پر قرار پایا۔ تو ہماری عورتوں کی حالت بالکل بدل گئی

(خلاصۂ بیان)

لیکن اسی واقعہ کو امام بخاری نے کتاب العلم میں عبیداللہ بن ابی ثور کی روایت سے بھی درج کیا ہے۔ وہ جزئیات بیان میں زیادہ مشرح و مفصل ہے۔ علی الخصوص حضرت عمر رضؓ اور آنحضرتؐ کا مکالمہ زیادہ تفصیل سے اس میں بیان کیا گیا ہے۔ امام مسلم کی روایات میں بھی بعض زیادہ تفصیلات ہیں۔ ہم بخوف طوالت کتاب العلم والی روایت کو نہیں نقل کر سکتے۔ مگر ان تمام روایات کو سامنے رکھکر ان کا مشترک اور مربوط و مرتب خلاصہ باحتیاط درج کردیتے ہیں۔ یہ نسبت ایک ہی روایت کے ترجمہ کردینے کے زیادہ مفید ہوگا۔ علاوہ اصل واقعہ کے جو ضمنی روشنی اس روایت سے آنحضرتؐ کی سیرت طیبہ۔ فقر و استغنا۔ عورتوں کے حقوق۔ اسلام کی حمایت حقوق نسواں۔ زنان عرب کی حالت میں انقلاب صحابہؓ کا عشق رسول۔ حضرت عمرؓ کے مدارج عالیہ اور راہ محبت رسول میں بیخودانہ سرشاری۔ اور اسی طرح کے بے شمار امور و مسائل پر پڑتی ہے۔ اس کے لحاظ سے بھی اس کا مفصل و جامع خلاصہ درج کرنا بہت ضروری تھا۔"

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ میں سال بھر تک ارادہ کرتا رہا کہ حضرت عمرؓ سے قرآن کریم کی ایک آیت کی نسبت پوچھوں لیکن ان کی ہیبت و رعب سے میری ہمت پست ہو جاتی تھی۔ اور

چلے ہوتے۔ تجھ کو جو کچھ مانگنا ہو مجھ سے مانگ۔ آنحضرتؐ کو کیوں تکلیف دیتی ہے؟

اس کے بعد میں ام سلمہ (آنحضرتؐ کی دوسری زوجہ مطہرہ) کے ہاں آیا۔ کیونکہ قرابت کی وجہ سے مجھے زیادہ موقعہ دریافت حال اور ملاقات کا حاصل تھا۔ میں نے ان سے بھی وہ تمام باتیں کہیں جو اپنی بیٹی سے کہی تھیں۔ لیکن انہوں نے سنتے ہی جواب دیا کہ اے ابن خطاب! تمہاری حالت تو بڑی ہی عجیب ہے۔ تم ہر معاملے میں دخیل ہو گئے۔ اور اب یہ نوبت آگئی کہ رسول اللہ اور ان کی بیویوں کے معاملے میں بھی دخل دینے لگے ہو۔

انہوں نے یہ بات اس زور سے کہی کہ مجھے کوئی جواب نہ دیا گیا اور میں خاموش اٹھ کر چلا آیا۔

اسی زمانے کا واقعہ ہے کہ میرے ہمسائے میں ایک انصاری رہتا تھا۔ ہم اور وہ دونوں باری باری ایک دن درمیان دے کر آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ اور ایک دوسرے کو اپنی حاضریوں کے حالات سنا دیا کرتے تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ مدینہ میں دشمنوں کے حملوں کی ہر وقت توقع کی جاتی تھی۔ اور خود مجھے ملوک غسان میں سے ایک بادشاہ کی طرف سے کھٹکا تھا کہ وہ حملہ کرنے والا ہے۔

ایک دن رات کو میرے انصاری ہمسائے نے بالکل ناوقت

اور اپنا حق مانگنے میں وہ نہایت جری ہو گئیں ۔

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ کسی بات پر حسب عادت قدیمی میں نے اپنی بیوی کو ڈانٹا ۔ اور باہم تکرار سی ہو گئی ۔ اس نے الٹ کر ویسا ہی جواب دیا اور سختی سے بات کی ۔ میں نے کہا ۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے ؟ میری بات کا اس طرح جواب دیتے ؟ وہ بولی کہ سبحان اللہ ۔ تم کیا ہو کہ میں تمہیں جواب نہ دوں ۔ تمہاری بیٹی (حفصہ) تو خود رسول اللہ صلعم کو برابر کا جواب دیتی ہے ۔ حتیٰ کہ دن دن بھر ان سے روٹھی رہتی ہے ۔

یہ سنکر میں نے دل میں کہا یہ تو عجیب بات ہوئی ۔ فوراً اٹھکر حفصہ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت کی زوجہ مطہرہ) کے پاس پہنچا ۔ اور پوچھا کہ بیٹی ! کیا یہ سچ ہے کہ تم آنحضرت سے سوال جواب کرتی ہو ۔ اور دن دن بھر روٹھی رہتی ہو ؟ اور کیا اور بیویاں بھی ایسا ہی کرتی ہیں ؟ حفصہؓ نے کہا کہ ہاں بیشک ہم ایسا کرتے ہیں ۔ مجھے سخت غصہ آیا ۔ اور میں نے کہا کہ تجھے اللہ کی سزا اور رسولؐ کے غضب سے ڈرنا چاہئے ۔ رسولؐ اللہ کی ناراضی عین خدا کی ناراضی ہے ۔ یہ کیا ہے جو تم اس طرح انہیں ناراض کرتی ہو ؟ تجھے حضرت عائشہ رضؓ کی کوئی نظیر دیکھ کر بھول نہ جانا چاہئے جس سے آنحضرت صلعم بہت محبت فرماتے ہیں ۔ واللہ اگر انہیں میرا خیال نہ ہوتا تو وہ تجھے طلاق دے

کونے میں کسی جانور کی کھال رکھی ہے۔ دوسری کھال ایک طرف
لٹک رہی ہے۔
یہ حالت دیکھکر میرا دل بے قابو ہوگیا۔ اور آنکھوں سے بے اختیار
آنسو جاری ہو گئے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ عمرؓ! تم روتے کیوں ہو؟
عرض کی کہ رونے کی اس سے زیادہ بات کیا ہوگی؟ آج قیصر
اور کسریٰ عیش و راحت کے مزے لوٹ رہے ہیں۔ حالانکہ خدا
کی بندگی سے غافل ہیں۔ مگر آپؐ سرور دو جہاں ہو کر اس حالت
میں ہیں کہ گھر میں ایک چیز بھی آرام کی میسر نہیں۔ اور کھری چارپائی
کے نشان جسم مبارک پر نمایاں ہیں!
حضورؐ نے فرمایا کہ ہاں ٹھیک ہے۔ لیکن کیا تم اس پر راضی
نہیں ہو کہ قیصر و کسریٰ دنیا لیں اور ہمیں آخرت نصیب ہو؟
میں نے پوچھا کہ کیا حضورؐ نے ازواج کو طلاق دیدی؟ فرمایا
نہیں۔ یہ سنتے ہی میں اس قدر خوش ہؤا کہ میری زبان سے اللہ اکبر
کا نعرہ نکل گیا۔ پھر میں نے آپ کی تفریح خاطر کے لئے عرض کیا کہ
ہم قریش کے لوگ عورتوں پر غالب تھے۔ لیکن یہاں آکر دیکھا
کہ رنگ دوسرا ہے۔ اس پر آپؐ متبسم ہوئے۔ پھر میں نے اپنی وہ
سرگذشت عرض کی جو حفصہ اور ام سلمہ کے ساتھ پیش آئی تھی۔
اس پر آپؐ دوبارہ متبسم ہوئے۔ آخر میں عرض کی کہ مسجد میں لوگ
مغموم بیٹھے ہیں۔ اجازت ملے کہ انہیں بھی جا کر خبر دیدوں کہ

دروازے پر دستک دی۔ اور پکارا کہ دروازہ کھولو۔ دروازہ کھولا۔ میں گھبرایا ہوا گیا اور پوچھا خیر ہے۔ کیا غسانی مدینہ پر چڑھ آئے؟ اس نے کہا کہ نہیں۔ مگر اس سے بھی بڑھ کر حادثہ ہوا یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی۔

میں نے کہا کہ یہ سب کچھ حفصہؓ و عائشہؓ ہی کی ان باتوں سے ہوا ہوگا۔ جو وہ آنحضرتؐ کے ساتھ کیا کرتی تھیں۔ میں نے کپڑے پہنے۔ اور مسجد مدینہ پہنچا۔ آنحضرتؐ نماز صبح کے بعد بالاخانے پر تشریف لے گئے۔ مسجد میں لوگ بیٹھے تھے اور غمگین تھے۔ مجھ سے صبر نہ ہوا۔ بالاخانے کے نیچے آیا۔ اور آنحضرتؐ کے حبشی غلام سے کہا کہ میری حاضری کے لئے اجازت طلب کر۔ جب کچھ جواب نہ آیا تو مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ بے اختیار پکار اٹھا کہ شاید رسول اللہ خیال فرماتے ہیں کہ میں اپنی لڑکی حفصہ کی سفارش کرنے آیا ہوں۔ خدا کی قسم! میں تو صرف رسولؐ اللہ کی رضا کا بندہ ہوں۔ اگر وہ حکم دیں تو خود اپنے ہاتھ سے حفصہ کی گردن اڑا دوں۔

غرض اس بار اذن مل گیا۔ اور میں بالاخانے کے اوپر پہنچا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ سرور کائنات ایک کھری چارپائی پر لیٹے ہیں اور آپؐ کے جسم اقدس پر بانوں کے نشان پڑ گئے ہیں۔ گھر کے ساز و سامان کا یہ حال ہے کہ ایک طرف مٹھی بھر جو کے دانے پڑے ہیں۔ ایک

کو دیکھئے کہ صرف ایک آیت کے متعلق تحقیق کرنے کے لئے کامل سال بھر تک کوشش کرتے رہے۔ اس سے فن تفسیر کے متعلق بھی ان کی جدو جہد کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جب ایک آیت کے شان نزول کے لئے یہ حال تھا تو پورے قرآن کریم کے معارف کو کس سعی و جہد سے حاصل کیا ہوگا!

(۳) اللہ اکبر! یہ کیا چیز تھی کہ خلفائے راشدین رہتے تو تھے۔ اس مساوات اور فقر و زہد کے ساتھ کہ کوئی تمیز اعلےٰ و ادنےٰ کی نہ تھی۔ مگر پھر بھی ہیبت و صولت ربانی کا یہ حال تھا کہ عمر فاروقؓ کے آگے خود صحابہ رض کی زبانیں نہ کھلتی تھیں۔ ولنعم ماقیل:

ہیبت حق است۔ ایں از خلق نیست
ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

(۴) حضرت سرور کائنات کی اُس حیات مقدسہ کا نقشہ سامنے آجاتا ہے۔ جو ایک طرف تو دو جہاں کی پادشاہت اپنے سامنے دیکھی تھی۔ دوسری طرف چارپائی پر بچھانے کے لئے ایک کمل بھی پاس نہ تھا:-

مقام اُس برزخ کبرے میں تھا حرف مشدد کا!

(۵) صحابہ کی محبت اور جاں نثاری کہ شمع رسالت پر پروانہ صفت نثار تھے۔ حضرت عمر رض نے کہا کہ اپنے ہاتھ سے اپنی بیٹی کا سر قلم کردونگا۔ ہمیں اپنے دلوں کو ٹٹولنا چاہئے کہ کیا حال ہے؟

طلاق کا خیال غلط ہے۔

اس کے بعد آپؐ حضرت عائشہؓ کے ہاں تشریف لے گئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپؐ نے ایک مہینہ تک ایلاء کرنے کا عہد کیا تھا۔ ابھی اس میں ایک دن باقی ہے۔ آپؐ نے کہا کہ انتیس دن کا بھی تو مہینہ ہوتا ہے؟ ...."

(بعض نتائج و بصائر)

اس حدیث طویل کے نقل کرنے سے مقصود اصلی واقعہ ایلاء و تخییر کے متعلق معلومات صحیحہ کا حصول تھا۔ لیکن ضمناً جن امور و مسائل پر اس سے روشنی پڑتی ہے۔ نہایت مختصر لفظوں میں ان کی طرف اشارہ کرونگا۔

شارحین بخاری نے اس حدیث سے بے شمار باتیں پیدا کی ہیں۔ خود امام بخاری نے تحصیل علم۔ تحقیق و سوال۔ احکام نکاح۔ احکام طلاق۔ نصیحت والدین وغیرہ وغیرہ متعدد مسائل میں اسی ایک روایت سے حسب عادت تبویب کی ہے۔

(۱) اسلام سے قبل عورتوں کی کیا حالت تھی۔ اور اسلام نے کس طرح اس میں انقلاب پیدا کر دیا؟ حضرت عمرؓ کہتے ہیں۔ کہ اسلام سے پہلے ہم عورتوں کا کوئی حق اپنے اوپر نہیں سمجھتے تھے۔ اسلام نے جب ان کے حقوق گنوائے تو ہمیں تسلیم کرنا پڑا۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ کے اس شوق تحقیق و تلاش علو اسناد

آیت تخییر

غرضکہ اس کے بعد ہی سورۂ احزاب کی آیت تخییر نازل ہوئی:-

یا ایھا النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیاۃ الدنیا و زینتھا۔ فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحاً جمیلا و ان کنتن تردن اللہ و رسولہ و الدار الاخرۃ۔ فان اللہ اعد للمحسنات منکن اجراً عظیما۔ (۳۳ - ۳۰) اے پیغمبر! اپنی بی بیوں کو کہدو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو صاف صاف کہدو! میں تمہیں اچھے طریقے سے رخصت کر دوں۔ اور اگر تم اللہ۔ اس کے رسولؐ اور آخرت کی طالب ہو تو پھر اس کی ہو رہو۔ اللہ نے تم میں سے نیکی کرنے والی عورتوں کے لئے بہت ہی بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔

ازواج مطہرات کے متعلق یہ آخری اور الٰہی فیصلہ تھا۔ چونکہ توسیع نفقہ اور طلب اسباب آرام و راحت کے لئے انہوں نے آنحضرت (صلعم) پر زور ڈالا تھا۔ اور اس مطالبہ میں تمام بی بیاں متفق ہو گئی تھیں۔ حتیٰ کہ آنحضرتؐ نے ایلا کر کے ایک ماہ کے لئے ان سے کنارہ کشی کر لی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ ایک مرتبہ ہمیشہ کے لئے اس کا فیصلہ ہو جائے۔ اور دونوں راستے ان کے

(۶) حضرت عمرؓ کی جلالت مرتبت اس سے واضح ہوتی ہے۔
نیز وہ تقرب جو دربارِ رسالت میں انہیں حاصل تھا حضرت ام سلمہ نے جھنجلا کر کہا کہ تم سب باتوں میں دخیل ہو گئے۔ اب آنحضرتؐ کے گھر کے معاملے میں بھی دخل دینے لگے ہو؟ جب آپ نے یہ واقعہ بیان کیا تو آنحضرتؐ متبسم ہوئے۔

(۷) اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ باپ کا اپنی بیٹی کے مکان میں بلا اجازت شوہر جانا درست ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت حفصہؓ کے ہاں بلا اذن آنحضرتؐ کے تشریف لے گئے۔

(۸) ایک بڑا اہم نکتہ یہ حل ہوتا ہے کہ اُس وقت مدینہ کس طرح دشمنوں کے نرغے میں تھا۔ اور ہر وقت حملوں کا خوف تھا؟ حتیٰ کہ جب انصاری ہمسائے نے کہا کہ دروازہ کھولو تو حضرت عمرؓ بول اُٹھے کہ کیا دشمن مدینے پر چڑھ آئے ہیں؟ پھر جو لوگ کہتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے قیام مدینہ کے زمانے میں خود حملے کئے ان کا یہ کہنا کس قدر غلط اور خلاف واقعہ ہے۔

(۹) آنحضرتؐ کی منزلی زندگی کی شفقت و نرمی۔ تحمل و درگذر۔ رفق ولینت۔ اور بیویوں کے ساتھ صبر و برداشت کا سلوک۔ اس سے جہاں اُس خلق عظیم کی زندگی سامنے آتی ہے۔ وہاں اُن کا اسوہ حسنہ ہم سے مطالبہ بھی کرتا ہے کہ اپنی بیویوں سے محبت و نرمی کریں۔ اور ہمیشہ شفقت و سلوک اور درگذر و رفق سے پیش آئیں کہ یہ آبگینہ بہت ہی نازک ہے۔

سب سے پہلے حضرت عائشہ رضؓ کے ہاں تشریف لائے۔ اور اس آیت کے حکم سے مطلع کیا۔ ساتھ ہی فرمایا کہ اس معاملہ میں جلدی نہ کرو۔ بہتر ہوگا کہ اپنے والدؓ سے بھی مشورہ کر لو حضرت عائشہ رضؓ بے اختیار بول اُٹھیں کہ بھلا اس میں مشورہ کرنے کی کیا بات ہے؟ جب خدا نے دو راہیں میرے سامنے کر دی ہیں تو اس کا جواب ہر حال میں صرف ایک ہی ہے۔ دنیا اور دنیا کی نعمتیں آپ کی رفاقت کے سامنے کیا شئے ہیں؟ میں سب کچھ چھوڑ کر اللہ اور اس کے رسولؐ کی معیت اختیار کرتی ہوں۔ اس کے بعد اور تمام بی بیوں سے آپؐ نے پوچھا اور سب نے یہی جواب دیا۔

خود حضرت عائشہ رضؓ کی روایت سے صحیحین میں مروی ہے:-

مسلم عن مسروق عن عائشہؓ۔ قالت۔ خیرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاخترنا اللہ ورسولہ فلم یعد ذالک علینا شیئاً (بخاری کتاب الطلاق باب من خیر ازواجہ)

صحاح کی دوسری روایتوں میں حضرت عائشہ رضؓ کا بیان زیادہ تفصیل سے منقول ہے۔ ہم نے واقعہ بیان کرتے ہوئے انہیں بھی پیش نظر رکھ لیا ہے۔ مثلاً امام مسلم و نسائی کے ابوسلمہ بن عبدالرحمان سے جو روایت اس بارے میں نقل کی ہے۔ اس میں حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں:-

فبدا بی رسول اللہ (صلعم) فقال انی ذاکر لک امرا فلا

آگے پیش کردیئے جائیں۔ یا تو اللہ اور اس کے رسولؐ کی راہ میں آرام و راحت دنیوی کو بالکل خیرباد کہیں۔ یا دنیا کے نعائمؔ و لذائذ کے لئے اللہ کے رسولؐ کی رفاقت ترک کردیں۔

چنانچہ اس آیت میں فرمایا کہ دنیا اور آخرت دونوں تمہارے سامنے ہیں۔ اگر دنیا کی طلب ہے تو صاف صاف کہدو۔ تمہیں رخصت کے عمدہ عمدہ جوڑے پہنا کر اپنے گھر سے بعزت و احترام رخصت کردوں۔ لیکن اگر خدا اور اس کے رسولؐ کی معیت چاہتے ہو تو ان زخارف دنیوی کی خواہشوں کو یک قلم جواب دیدو۔ کیونکہ ایسا کرنے والوں کے لئے خدا کے ہاں بڑا ہی اجر اور ثواب ہے۔

(مصالح و حکم تخییر)

اس حکم کے نزول میں فی الحقیقت بہت سی عظیم الشان مصلحتیں پوشیدہ تھیں۔ یہ ازواج مطہرات کے لئے بہت بڑی آزمائش تھی۔ دنیا کو دکھلانا تھا کہ جن لوگوں کو خدا کے رسولؐ نے اپنی زندگی میں شریک کیا ہے۔ ان کے تزکیہ باطنی اور خدا پرستی کا کیا حال ہے؟ اگر اس طرح کے واقعات پیش نہ آتے۔ تو ازواج مطہرہ کا تزکیۂ نفس اور ان کے دلوں کی محبت الٰہی کیونکر دنیا کے سامنے واضح ہوتی؟

چونکہ توسیع نفقہ کی خواہش میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے سب سے زیادہ حصہ لیا تھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم،

نظر میں دنیا اور اہل دنیا کی طرف سے دست بردار ہو جائیں - یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک طرف تو خدا کی محبت کا بھی دعوے ہو دوسری طرف زخارف دنیوی کے پیچھے بھی سرگرداں رہیں۔ وللہ در ما قال ؎

سرمد گلہ اختصار مے باید کرد
یک کار ازیں دو کار مے باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد
یا قطع نظر ز یار مے باید کرد

حق و صداقت کی محبت ہی میں خدا اور اس کے رسول ؐ کی محبت پوشیدہ ہے۔ اس راہ میں جتنی کشمکشیں پیدا ہوتی ہیں۔ اور جس قدر ٹھوکریں لگتی ہیں - وہ صرف اسی بات کا نتیجہ ہیں کہ راہروؤں نے دو راہوں میں سے ایک راہ اختیار کرنے کا کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا ہے - اور بغیر اس کے کہ ایک کے ہو رہنے کا فیصلہ کر کے قدم اٹھائیں - ویسے ہی جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں"۔

(قصہ ماریہ قبطیہ اور روایات موضوعہ)

یہاں تک تو ہم نے ایلاء و تخییر کا اصلی واقعہ بیان کر دیا جو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ اب ہم ان روایات کی جانب متوجہ ہوتے ہیں جن کی آمیزش سے اس صاف واقعہ کو مکدر و مشتبہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے - اور جس کی ایک محرف و مسخ صورت آپ کے مسیح معلم نے پیش کی ہے"۔

علیک ان لا تعجل حتی تستامری ابویک قالت وقد علم ان ابوی لا یامرانی بفراقہ ثم قال رسول اللہ صلعم یا ایھا النبی قل لازواجک الخ۔ فقلت فی ھذا استامر ی ابوی؟ فانی ارید اللہ و رسولہ والدار الآخرۃ (صحیح نسائی۔ کتاب النکاح صفحہ ۱۵ مطبوعہ دہلی) پس آنحضرتؐ نے مجھ سے گفتگو کی اور فرمایا کہ میں تجھ سے ایک امر اہم کا ذکر کرتا ہوں لیکن کوئی مضائقہ نہیں اگر اس کا جواب دینے میں جلدی نہ کریں۔ اور اپنے والدین سے بھی ان کی رائے پوچھ لیں۔ آنحضرتؐ کو علم تھا کہ میرے والدین کبھی ان سے علیحدگی کی رائے نہ دینگے۔ بہرحال اس کے بعد آیۂ تخییر آپؐ نے پڑھی۔ اور دنیا اور آخرت کی دونوں راہیں پیش کر دیں۔ میں نے عرض کیا۔ کیا یہی بات تھی۔ جس کے لئے حضورؐ فرماتے تھے کہ اپنے والد سے بھی پوچھ لوں؟ بھلا اس میں پوچھنے کی کونسی بات ہے! اس کا جواب تو صرف یہی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسولؐ کا ساتھ دیتی ہوں۔ اور دنیا کی جگہ آخرت کو لیتی ہوں۔"

یہ حکم اگرچہ صرف ازواج مطہرات کے متعلق تھا مگر دراصل اس میں اس راہ کے لئے ایک عام بصیرت بھی پوشیدہ ہے۔ اس واقعہ کے ضمن میں خدائے تعالےٰ نے ظاہر کیا ہے کہ دو چیزیں ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ جو دل خدا اور اس کے رسولؐ کی محبت اور مرضات کے طالب ہوں۔ انہیں چاہیئے کہ پہلی ہی

حلال کی تھی۔ اور انہوں نے اپنی بیویوں کی خوشی کے لئے اپنے اوپر حرام کر لی؟ ان میں سے بعض کا یہ بیان ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ لونڈی تھی۔ اُسے آپؐ نے اپنے لئے حرام کر لیا تھا۔ ایک قسم کھا کر کہ کبھی اس کے پاس نہ جاؤنگا۔ اور ایسا حفصہؓ بنت عمرؓ کی خوشی کے لئے کیا تھا جو آپؐ کی زوجہ مطہرہ تھیں۔

لیکن امام موصوف نے جن "بعض اہل علم" کی یہ رائے نقل کی ہے۔ اکثر ائمہ حدیث مثل امام بخاری و مسلم بلکہ جمیع مصنفین کتب صحاح کے مقابلے میں ان کی کیا وقعت ہو سکتی ہے۔ جنہوں نے سرے سے اس واقعہ کو نقل ہی نہیں کیا ہے۔

بہرحال اس کے بعد امام موصوف نے وہ تمام روائتیں جمع کر دی ہیں جو اس بارے میں ان تک پہنچی ہیں۔ ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرتؐ (صلعم) کی لونڈی تھیں۔ ایک دن حضرت حفصہؓ آئیں تو انہوں نے دیکھا کہ انہی کے مکان میں آنحضرت صلعم ماریہ کے ساتھ خلوت میں ہیں۔ آپؐ اس پر آزردہ خاطر ہوئیں۔ اور کہا کہ میرے ہی مکان میں اور میری ہی باری کے دن آپؐ نے ایسا کیا؟ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آیندہ کے لئے قسم کھاتا ہوں کہ ماریہ سے کوئی تعلق نہ رکھونگا۔ لیکن اس قسم کھانے کا ذکر کسی دوسری بیوی سے نہ کرنا۔ حضرت حفصہؓ اور حضرت عائشہؓ تمام ازواج مطہرہ میں باہم رازدار اور دوست تھیں ان سے صبر نہ ہو

ان تمام روایات سے صحاح ستہ خالی ہیں۔ البتہ ابن سعد۔ ابن مردویہ۔ واقدی۔ ابن جریر طبری طبرانی۔ بزاز۔ اور ہیثم بن حلیب وغیرہ نے درج کیا ہے۔ اور ان سے عامۂ مفسرین و ارباب سیرۃ نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کر دیا ہے۔

ان روایات کا تعلق واقعہ تحریم سے ہے۔ اگر انہیں تسلیم بھی کر لیا جائے۔ جب بھی واقعہ ایلاء پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ البتہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ لم تحرم ما احل اللہ کا شان نزول یہ واقعہ نہ تھا کہ آنحضرتؐ نے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ بلکہ ماریہ قبطیہ سے اس کا تعلق ہے جو آپ کی لونڈی تھی۔ اور آپؐ نے ازواج کی خاطر اسے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

ہم ان روایات کے لئے امام طبری کی تفسیر کو سامنے رکھ لینا کافی سمجھتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے سورہ تحریم کی تفسیر میں حسب عادت تمام روایتوں کو جمع کر دیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

اختلف اہل العلم فی الحلال الذی کان اللہ احلہ لرسولہ فحرمہ علی نفسہ ابتغاء مرضاۃ ازواجہ۔ فقال بعضہم:۔ کان ذلک ماریۃ مملوکتہ القبطیۃ حرمہا علی نفسہ بیمین انہ لا یقربہا طلبا بذلک رضا حفصہ زوجتہ (تفسیر طبری جلد ۲۸ صفحہ ۱۰۰) اہل علم نے اس بارے میں اختلاف کیا ہے کہ وہ کونسی بات تھی جو خدا نے اپنے رسولؐ کے لئے

(۱) سب سے پہلے اُس بیان کو پیش نظر رکھئے۔ جو اس مضمون کے پہلے صفحوں میں احادیث وکتب حدیث کے متعلق لکھ چکا ہوں۔ محققین وائمہ فن نے طبقات ومراتب محدثین کے متعلق کافی تصریحات کردی ہیں۔ اور اس بارے میں حضرت شاہ ولی اللہ کی تقسیم قدماء محققین کی آراء کی بہترین ترجمان ہے۔ ان کا بیان پہلے گذر چکا ہے کہ کتب حدیث چار درجوں میں منقسم ہیں۔ پہلا درجہ صحیحین کا ہے۔ دوسرا بقیہ کتب صحاح کا۔ تیسرا تصانیف دارمی۔ عبدالرزاق۔ بیہقی۔ طبرانی وغیرہ کا۔ چوتھا ابن مردویہ۔ ابن جریر طبری۔ ابو نعیم۔ ابن عساکر۔ ابن عدی وغیرہ کا۔ تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتابوں میں صحت کا التزام نہیں کیا گیا ہے۔ اور ہر طرح کا رطب و یابس ذخیرہ جمع کردیا ہے۔

یہ محققانہ تقسیم باعتبار صحت۔ شہرت۔ اور قبول کے کی گئی ہے۔

"صحت" کے معنے یہ ہیں کہ اس کتاب کے مصنف نے صحیح حدیثوں کے جمع کرنے کا اس میں التزام کیا ہو۔ اور اگر کوئی حدیث اس درجہ کی نہ ہو تو اس کے نقص کی بھی تصریح کردی ہو۔

"شہرت" سے یہ مقصود ہے کہ ہر زمانے میں ارباب فن نے اسے درس وتدریس میں رکھا ہو۔ اور اس کے تمام مطالب کی

سکا۔ انہوں نے حضرت عائشہ رضؓ سے کہدیا۔ اس پر یہ دونوں آیتیں
نازل ہوئیں کہ لم تحرم ما احل اللہ لک؟ اور واذ اسر النبی
الی بعض ازواجہ۔ پس جو چیز آپ نے اپنے حرام کرلی تھی۔ وہ
بھی ماریہ قبطیہ تھی جسے خدا نے آپ کے لئے حلال کیا تھا۔ اور
جو راز بعض ازواج نے ظاہر کر دیا تھا۔ وہ بھی یہی آپؐ کا قسم
تھا۔ بعض روایتوں میں اتنا اور زیادہ ہے کہ علاوہ قسم کھانے
کے آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے یہ بھی کہا تھا کہ میرےؐ بعد حضرت
ابو بکرؓ اور تمہارے والد میرے جانشین ہونگے "۔

امام طبری نے اس واقعہ کے متعلق متعدد روایتیں درج کی
ہیں۔ یہی روایتیں ہیں جو محمد ابن سعد۔ ہیثم۔ ابن مردویہ۔ اور
طبرانی نے عشرت النساء اور مسند وغیرہ میں درج کی ہیں۔ ان
میں باہم سخت اختلاف ہے۔ اور ایک ہی واقعہ کو مختلف صورتوں
میں بیان کیا ہے۔ لیکن جب سرے سے ان کی اسناد ہی قابل قبول
نہیں تو اضطراب و اختلاف متون پر کیا بحث کی جائے؟

(تحقیق و نقد روایات)

لیکن ہم پورے وثوق اور زور کے ساتھ ان روایات کی
صحت سے قطعاً انکار کرتے ہیں۔ اور اس کے لئے کافی وجوہ موجود
ہیں کہ انہیں یک قلم ناقابل قبول و اعتبار قرار دیا جائے۔
بالاختصار اس کے وجوہ حسب ذیل ہیں:۔

مقررہ حدیث ان کی صحت پایہ ثبوت تک پہنچا دی جائے ۔
علے الخصوص جبکہ کتب معتبرہ حدیث مثل بخاری و مسلم ان کے مخالف ہوں ۔ اور تمام صحاح ستہ خاموش ۔

(۳) ان روایتوں میں لم تحرم ما احل اللہ لک اور واذ اسرالنبی الی بعض ازواجک کا شان نزول بیان کیا گیا ہے لیکن امام بخاری و مسلم انہیں آیات کا شان نزول دوسرا واقعہ بیان کرتے ہیں ۔ یعنے جس حلال شئے کو آپ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا ۔ اس کی نسبت خود حضرت عائشہ رض کا قول متعدد روایات باسناد صحیح سے موجود ہے کہ وہ شہد تھی نہ کہ ماریہ قبطیہ ۔ امام بخاری نے پانچ چھ بابوں میں اس واقعہ کو لیا ہے لیکن کہیں بھی ماریہ قبطیہ کو اپنے اوپر حرام کر لینے کا واقعہ نظر نہیں آتا ۔ پھر ہم اس بارے میں امام بخاری و مسلم اور مصنفین صحاح کی روایت کو تسلیم کریں ۔ یا واقدی ۔ ابن سعد ۔ طبرانی ۔ اور طبری کی ۔

(۴) قطع نظر اس کے اصول فن کے لحاظ سے بھی یہ روایات پایہ اعتبار سے ساقط ہیں ۔ طبرانی ۔ ابن مردویہ اور ابن جریر وغیرہ نے مختلف طریقوں سے انہیں روایت کیا ہے ۔ لیکن ان میں سے کسی روایت کی بھی اسناد صحیح نہیں ۔ آگے چل کر محققین فن کی تصریحات اس بارے میں درج ہونگی ۔

شرح و تفسیر اور چھان بین ہو گئی ہو۔

"قبول" سے مراد یہ ہے کہ علماء فن نے اس کتاب کو معتبر اور مستند تسلیم کیا ہو اور کسی نے اس سے انکار نہ کیا ہو۔

اب غور کرو کہ قصہ ماریہ قبطیہ کی جتنی روایتیں ہیں۔ وہ نہ تو پہلے درجہ کی کتابوں میں ہیں۔ نہ دوسرے درجہ کی۔ بلکہ تمام تر تیسرے اور چوتھے درجہ کی کتابوں میں درج کی گئی ہیں۔ پھر صرف اتنا ہی نہیں۔ بلکہ اول درجہ کی صحیح کتب حدیث یعنے کتب صحاح اور علے الخصوص صحیحین کی روایات ان کے صریح مخالف بھی ہیں۔ اور جو سبب نزول آیت تحریم کا اُن سب میں بیان کیا گیا ہے۔ اس سے ان روایات کے بیان کردہ قصہ کو کوئی تعلق نہیں۔

(۲) یہ تمام روایتیں طبرانی۔ ابن سعد۔ ابن جریر طبری وغیرہ کی ہیں۔ ان مصنفوں کے متعلق لکھ چکا ہوں۔ کہ ان کا مقصود صرف روایات کو جمع کر دینا۔ اور ہر طرح کے ذخیرہ احادیث و آثار کو ضائع ہونے سے محفوظ کر دینا تھا نہ تو انہوں نے کبھی یہ دعوے کیا کہ ان کی تمام مرویات صحیح ہیں۔ اور نہ محققین نے انہیں یہ درجہ دیا۔ پس طبرانی اور طبری وغیرہ کی روایات صرف اسی وقت قبول کی جا سکتی ہیں۔ جبکہ ان کی صحت کی دیگر وسائل سے بھی تصدیق ہو جائے یا حسب اصول

اس کے تعین میں اختلاف ہے۔ عائشہ رض کی حدیث میں جو ابن باب کی دوسری حدیث ہے۔ یہ ہے کہ اس کا سبب آنحضرت ؐ کا شہد تناول فرماتا تھا۔ جو زینب بنت جحش کے یہاں آپؐ نے کھایا تھا...... لیکن سعید بن منصور نے سند صحیح سے جو مسروق تک پہنچتی ہے روایت کیا ہے کہ اس کا سبب وہ قسم تھی۔ جو آنحضرتؐ نے حفصہ رض کے لئے کھائی تھی کہ اپنی لونڈی کے پاس نہ جاؤنگا۔ اور وہ مجھ پر حرام ہے۔

حافظ موصوف نے ان تمام روایات میں سے صرف اس ایک روایت ہی کی توثیق کی ہے۔ اور اسے سند صحیح سے قرار دیا ہے۔ باقی روایتیں جو طبرانی ابن مردویہ۔ اور مسند ہیثم وغیرہ سے مروی ہیں۔ اور عموماً قرطبی اور واحدی وغیرہ نے اپنی اپنی تفسیروں میں درج کر دی ہیں۔ ان کو صرف اس خیال سے نقل کیا ہے۔ کہ جب مسروق والی حدیث معتبر قرار دے لی گئی تو ان روایتوں سے اس کی تقویت کا کام لیا جا سکتا ہے۔ گو فی نفسہ ان میں سے کسی کی سند بھی قابل اعتنا نہ ہو۔ چنانچہ آخر میں لکھتے ہیں:۔

وھذہ اطراق کلھا یقوی بعضھا بعضاً فیحتمل ان تکون الایۃ نزلت فی السببین معاً (جلد ۸ صفحہ ۵۰۳) اور یہ تمام مختلف طریق باہم ایک دوسرے کو قوت پہنچاتے ہیں پس یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ ممکن ہے کہ سورہ تحریم کی پہلی آیت دونوں

(۵) البتہ صرف ایک مبہم و مجمل روایت ہے۔ جس سے ان روایات کی تقویت کا کام لیا جاتا ہے۔ اس کے دو مختلف طریقوں کی بعض محدثین نے توثیق کرنی چاہی ہے۔ اور صرف یہی روایت ہے جو قصہ ماریہ قبطیہ میں نسبتاً بہترین اسناد سے سمجھی جاتی ہے۔ ہم صرف اسی پر نظر ڈالینگے۔ اور اس سے ظاہر ہو جائیگا کہ جب بہترین اور اقوی روایت کا یہ حال ہے تو پھر ان روایتوں اور ان کے اسناد کا کیا حال ہوگا۔ جن کو خود ان کے حامیوں نے بھی پیش کرنے کے قابل نہ سمجھا؟

قیاس کن ز گلستان من بہار مرا!

(روایت مسروق ورقاشی)

حافظ ابن حجر عسقلانی نے کتاب التفسیر کی شرح میں ان تمام روایتوں پر بحث کی ہے۔ اور جتنے مختلف اسناد سے مروی ہیں سب کو پیش نظر رکھا ہے:۔

"اختلف فی المراد بتحریمہ فی حدیث عائشہ ثانی حدیثی الباب الیٰ ذالک بسبب شربہ (صلعم) العسل عند زینب بنت جحش . . . . ووقع عند سعید بن منصور باسناد صحیح الی مسروق قال:۔ حلف رسول اللہ لحفصہ لا یقرب امتہ وقال ھی علی حرام (جلد ۸۔ صفحہ ۵۰۳ مطبوعہ مصر) جس شئے کو آنحضرتؐ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔

قال الهثیم فی مسندہ ثنا ابو قلابہ عبد الملک بن محمد الرقاشی ثنا مسلم بن ابراہیم (الخ) عن عمر قال قال النبی صلعم لحفصۃ لا تخبری احدا ان ام ابراہیم علے حرام فقالت اتحرم ما احل اللہ لک؟ قال فواللہ لا اقربھا.. ھذا اسناد صحیح۔ ولم یخرجہ احد من اصحاب الکتب الستۃ۔ واختارہ الحافظ الضیاء المقدسی (بر حاشیۂ فتح البیان جلد ۱۰ صفحہ ۱۸) ہثیم نے اپنی مسند میں حضرت عمرؓ سے بواسطۂ ابن رقاشی وغیرہ روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم نے حفصہؓ سے کہا کہ کسی کو اس بات کی خبر نہ دینا۔ ابراہیم کی ماں مجھ پر حرام ہے۔ حفصہؓ نے کہا۔ کیا آپ اس چیز کو حرام کرتے ہیں جس کو آپ کے لئے خدا نے حلال کیا ہے؟ فرمایا کہ قسم خدا کی۔ میں کبھی اس کے پاس نہ جاؤنگا۔ اس روایت کی اسناد صحیح ہے لیکن صحاح ستہ کے جامعین میں سے کسی نے بھی اسے روایت نہیں کیا ہے۔ حافظ ضیاء مقدسی نے اپنی مستخرج میں اسے لیا ہے۔

دراصل یہ روایت بھی وہی مسروق والی روایت ہے مگر دوسرے طریق سے مروی ہے۔ پس ان تمام روایتوں میں جن میں ماریہ قبطیہ کا حضرت حفصہؓ کے مکان میں آنحضرت م

واقعوں کے متعلق ایک ساتھ نازل ہوئی ہو"۔

اس قول میں حافظ موصوف نے دونوں واقعات کے باہم تطبیق کی کوشش ہے۔ اس کی نسبت ہم آگے چل کر لکھیں گے۔ یہاں صرف اس قدر دکھلانا مقصود ہے۔ کہ تمام روایات ماریہ قبطیہ میں صرف مسروق والی روایت ہی سے حافظ موصوف متاثر ہیں۔ اور دیگر اسناد و طرق کو اس لئے پیش کرتے ہیں کہ روایت مسروق کی ان سے تقویت مزید ہو جاتی ہے۔ پس اس بارے میں عروۃ الوثقی صرف مسروق ہی کی روایت ہوئی"۔

اس روایت کے ایک دوسرے طریق کی حافظ ابن کثیر نے بھی اپنی تفسیر میں توثیق کی ہے۔ اگرچہ وہ خود بھی اس واقعہ کا شان نزول سورۂ تحریم ہونا تسلیم نہیں کرتے جیساکہ آگے نقل کیا جائیگا۔

چنانچہ حافظ موصوف نے سورہ تحریم کی تفسیر میں حسب عادت وہ تمام روایات نقل کردی ہیں۔ جو امام طبری وغیرہ نے اس بارے میں درج کی ہیں۔ لیکن چونکہ ان کی اسناد کا حال ان پر واضح تھا۔ اس لئے کسی طریق و سند کی بھی توثیق نہیں کی۔ البتہ جو روایت ہثیم بن جلیب نے اپنی مسند میں درج کی ہے۔ اس کو نقل کرکے لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے۔

ثانیاً۔ اس روایت کا پہلا سلسلہ مسروق تک منتہی ہوتا ہے مسروق صحابی نہ تھے۔ تابعی تھے۔ (یعنے انہوں نے آنحضرت ص کو دیکھا نہیں تھا) لیکن وہ کچھ نہیں بتلاتے کہ انہوں نے یہ واقعہ کس اصحابی سے سنا؟ اور جس سے سنا وہ کس حیثیت سے بیان کرتا ہے؟ صرف ان کا بیان ہے جو بعد کے راویوں نے روایت کر دیا ہے۔ اس کو اصطلاح حدیث میں "منقطع" کہتے ہیں یعنے اس کا سلسلہ آنحضرت ص تک نہیں پہنچتا۔ ایک ایسی منقطع روایت کو بخاری و مسلم اور کتب صحاح کے متصل اور کثیر الطرق روایات صحیحہ کے مقابلہ میں کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے؟

یہ کہنا کہ دونوں میں تطبیق محتمل ہے۔ کسی طرح صحیح نہیں۔ آگے چل کر ہم اسے واضح کرینگے۔

رہا اس روایت کا دوسرا طریقہ جس کی حافظ ابن کثیر نے توثیق کی ہے۔ تو وہ بھی اپنے اندر کوئی ایسی قوت نہیں رکھتا۔ جو اسے اس حالت میں قائم کر سکے۔ جبکہ امام بخاری و مسلم کی صحیح روایتیں سورۂ تحریم کا شان نزول دوسرے واقعہ کو بیان کر رہی ہیں۔ اور تمام کتب صحاح اس کی مؤید ہیں۔

اس کے اسناد میں سب سے پہلے جو راوی ہمارے سامنے آتے ہیں۔ وہ ابو قلابہ عبدالملک بن محمد الرقاشی ہیں۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب میں ان کا ترجمہ لکھا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ متعدد

کے ساتھ ہونا۔ ان کا عتاب کرنا اور آزردہ ہونا۔ پھر آنحضرتؐ کا قسم کھانا وغیرہ وغیرہ بیان کیا گیا ہے۔ صرف یہی ایک روایت ہے۔ جس کے ایک طریق کی حافظ بن حجر نے اور دوسرے طریق کی حافظ بن کثیر نے توثیق کی ہے۔ اور کہا ہے کہ اسناد صحیح سے مروی ہے۔ لہذا ان کے علاوہ اور جس قدر طریق ہیں۔ ان کا ذکر کرنا فضول ہوگا۔ کیونکہ ان کی صحت کے متعلق کوئی تصدیق ہمارے سامنے نہیں ہے۔

روایت مسروق ورقاشی کی حقیقت

اب آیئے۔ اس روایت پر نظر ڈالیں کہ اصول فن کے لحاظ سے یہ کہاں تک قابل اعتبار و تسلیم ہے؟ اور اس کا اثر اصل واقعہ پر کہاں تک پڑ سکتا ہے۔

سب سے پہلے اس پر غور کرنا چاہیئے کہ اس روایت میں نہ تو ماریہ قبطیہ کا ذکر ہے اور نہ واقعہ کے وہ تمام اہم حصے منقول ہیں جو امام طبری وغیرہ نے اپنی روایات میں درج کئے ہیں۔ صرف اس قدر بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلعم نے حضرت حفصہؓ سے فرمایا کہ میں اپنی لونڈی کے پاس نہ جاؤنگا۔ اس کے لئے قسم کھاتا ہوں۔ پس اگر یہ روایت تسلیم بھی کر لیجائے جب بھی ان تفصیلات کی تصدیق کے لئے قیاس محض کے سوا اور کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

دیا ہے۔ جو ابو قلابہ رقاشی نے ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ "ان النبی صلعم صلی حتیٰ تورمت قدمہ" جیسا کہ حافظ موصوف نے تہذیب میں تصریح کی ہے۔

پس ان تمام تصریحات سے ثابت ہوتا ہے کہ ابو قلابہ کی اسناد میں کثرت خطا و اوہام روایت و اغلاط متون کی ارباب جرح و تعدیل نے صاف صاف شکایت کی ہے۔ اور ظاہر ہے کہ راوی کی شخصی ثقاہت اور موصوف بالخیر والصلاح ہونا (کما قال الخطیب) کچھ مفید نہیں ہو سکتا۔ جبکہ اس کے حفظ و اتقان اور صحت اسناد و متون کے متعلق مخالف تصریحات موجود ہوں۔ اور علی الخصوص ایسے موقعہ پر کہ صرف اسناد کی قوت ہی مطلوب ہے۔ اور دیگر اسناد معتبرہ و مرفوعہ و متصلہ اس کے مخالف ہیں۔

(قصہ ماریہ اور محققین فن)

(٦) حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں کوئی روایت بھی صحیح موجود نہیں ہے۔ جو شان نزول حضرت عائشہؓ نے بیان کر دیا ہے۔ اور جس کو بالاتفاق ائمہ حدیث و اساطین فن نے درج اسفار معتبرہ و صحیحہ کیا ہے۔ وہی اصلی اور صحیح واقعہ ہے اور صرف وہی قابل قبول ہے۔

چنانچہ خود حافظ ابن کثیر باوجود رقاشی کی روایت کی توثیق

ثقات نے ان کی توثیق کی ہے۔ اور ابن حبان نے ثقات میں ان کا ذکر کیا ہے۔ نیز ابن جریر وغیرہ ان کے حفظ کا اعتراف کرتے ہیں۔ با ایں ہمہ دارقطنی جیسے شخص کی ان کی اسناد کے متعلق یہ رائے تھی۔

کثیر الخطاء فی الاسانید والمتون۔ کان یحدث من حفظہ فکثرت الاوھام فی روایتہ (۱) وہ روایت کی سندوں میں اور حدیث کے اصل الفاظ میں کثرت سے غلطیاں کر جاتے ہیں۔ ان کا قاعدہ تھا کہ محض اپنے حفظ کی بنا پر حدیث بیان کرتے تھے۔ ان کی روایت میں بہت اوہام پیدا ہو گئے۔

پھر اسی تہذیب میں دارقطنی کا دوسرا قول نقل کیا ہے کہ "لا یحتاج بما ینفرد بہ"!

آخر میں خود حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

"بلغنی عن شیخنا ابی القاسم انہ قال: عندی عن ابی قلابہ عشرۃ اجزاء ما منھا حدیث سلم اما فی اسناد واما فی المتن۔ کان یحدث من حفظہ فکثرت الاوھام فیہ" فتامل!

چنانچہ اسی بنا پر بعض محدثین نے اس حدیث سے انکار کر

(۱) حافظ ابن حجر کی تہذیب التہذیب حال ہی میں دائرۃ المعارف حیدر آباد نے چھاپی ہے۔ میں نے اسی سے یہ عبارت نقل کی ہے (دیکھو جلد ۶ صفحہ ۲۰۴)

ولم نات قصة ماریة من طریق صحیح (نووی جلد ا مطبوعہ مولانا احمد علی مرحوم صفحہ ۴۷۹) اور ماریہ قبطیہ کا قصہ کسی صحیح طریق سے مروی نہیں ہے ؛

ایسی صریح اور صاف تصریحات کے بعد کون کہہ سکتا ہے کہ ماریہ قبطیہ کا قصہ صحیح ہے ؟ اور کیونکر جائز ہو سکتا ہے۔ کہ اس کی بنا پر معترضین اسلام اپنی معاندانہ تلبیس اور ابلیسانہ فریب کاری کے ساتھ اس واقعہ کو ہمارے سامنے بطور حجت اور دلیل کے پیش کریں ؟

(تطبیق و توجیہ)

(۷) رہی یہ بات کہ کیا یہ ممکن نہیں کہ آیت تحریم کے شان نزول میں یہ دونوں واقعات جمع کئے جاسکیں۔ اور کوئی وجہ تطبیق پیدا کی جائے ؟

حافظ ابن حجر نے اس کی خفیف سی کوشش کی ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسا کرنے کی ہمیں ضرورت ہی کیا ہے ؟ ایک واقعہ کے متعلق صاف صاف اور صریح و مستند روایتیں ان کتابوں میں موجود ہیں جن سے زیادہ صحیح اس آسمان کے نیچے حدیث کی کوئی کتاب نہیں۔ ان کے خلاف جو روایتیں پیش کی جاتی ہیں وہ نہ تو صحاح ستہ میں مروی ہیں نہ اصول فن کے اعتبار سے انہیں کوئی وقعت حاصل ہے۔ صرف ایک روایت ہے جس کی

کرنے کے بعد آگے چل کر اس کا اعتراف کرنے پر مجبور ہوئے۔
والصحیح ان ذالک کان فی تحریمۃ العسل کما قال البخاری عند ھذہ الاٰیۃ (ابن کثیر جلد ۱۰ صفحہ ۱۹) اور صحیح یہ ہے کہ سورہ تحریم کی پہلی آیت اس بارے میں نازل ہوئی۔ کہ آنحضرتؐ نے شہد کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ جیسا کہ امام بخاریؒ نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے۔

صرف حافظ موصوف ہی پر موقوف نہیں۔ دیگر ارباب نظر وتحقیق نے بھی صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ماریہ قبطیہ کے اس واقعہ کے متعلق کوئی صریح روایت ثابت نہیں ہے۔ علامہ عینی شرح بخاری میں ان تمام روایات کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:۔
والصحیح فی سبب نزول الاٰیۃ انہ فی قصۃ العسل لا فی قصۃ ماریۃ المروی فی غیر الصحاح (عینی جلد ۹ صفحہ ۵۴۸) اور اس آیت کے شان نزول کی نسبت صحیح روایت یہی ہے کہ وہ شہد کے متعلق ہے۔ ماریہ قبطیہ کے قصہ کے متعلق نہیں ہے۔ جو کتب صحاح کے علاوہ دیگر کتب میں مروی ہے۔

یہی رائے قاضی عیاض کی بھی ہے۔ بلکہ جو الفاظ علامہ عینی نے لکھے ہیں دراصل قاضی موصوف کے ہی ہیں۔ امام نووی نے شرح صحیح مسلم میں ان کی رائے انہی الفاظ میں نقل کی ہے۔ خود امام موصوف کی بھی رائے یہی ہے۔

کو حرام کرنے کا واقعہ بھی ہوا ہو گا۔ اور ماریہ قبطیہ کا قصہ بھی پیش آیا ہو گا۔ سورہ تحریم کی آیات ایک ہی وقت میں دونوں کے لئے اُتریں ۔؛

لیکن یہ توجیہ کسی طرح بھی تسلیم نہیں کی جا سکتی صحیح بخاری ومسلم وغیرہ کی روایات میں صاف صاف تصریح ہے کہ آیت تحریم شہد کے واقعہ کے متعلق اُتری ۔ خود حضرت عائشہ رضہ جن کا اس واقعہ سے حقیقی تعلق ہے ۔ اور جو اس کے لئے اعلم الناس ہو سکتی ہیں ۔ صاف صاف فرماتی ہیں کہ آیت کا شان نزول یہی ہے ۔ کہیں اس کا اشارہ تک نہیں ہے کہ اس کا سبب ماریہ قبطیہ کا واقعہ بھی تھا ۔ اگر اسے بھی اس آیت سے کوئی تعلق ہوتا تو ظاہر ہے کہ حضرت عائشہ رضہ ایک ایسے اہم سبب نزول آیت کو بالکل چھوڑ کر محض شہد کے واقعہ کو کیوں بلاوجہ مقدم رکھتیں اور بیان کرتیں ؟ پھر امام بخاری ومسلم اور جامعین صحاح اربعہ نے اس آیت کے شان نزول کے لئے خاص ابواب قرار دیئے اور ان میں صرف اسی سبب کو درج کیا ۔ کونسی وجہ بیان کی جا سکتی ہے کہ ان تمام سلاطین فن و ائمہ عظماء حدیث نے یکسر اس دوسرے سبب کو چھوڑ دیا ؟

اگر کہا جائے کہ کسی وجہ سے یہ واقعہ امام بخاری ومسلم تک نہیں پہنچا ۔ اور جو روایتیں انہیں ملیں وہ ان کی شروط پر

اسناد کو صحیح کہا جاتا ہے۔ لیکن اول تو اس میں ماریہ قبطیہ کا قصہ بیان نہیں کیا گیا ہے۔ پھر اس کی سند بھی منقطع ہے۔ اور روایت منقطع احادیث صحیحہ مقبولہ کے مقابلے میں حجت نہیں ہو سکتی۔ (کما صرح به ابن الصلاح فی المقدمه والنووی فی شرح الصحیح) دوسرے طریق کا بھی یہی حال ہے۔ اس کا راوی کثیر الخطا فی الاسانید والمتون ہے۔

پس ایسی حالت میں ہمارے لئے کونسی مجبوری ہے کہ ہم ان روایات کے تحفظ کے لئے تطبیق و توجیہ بارده و رکیکہ کی زحمت اٹھائیں۔ اور بے فائدہ احتمالات پیدا کریں؟ صاف بات یہ ہے کہ حسب اصول و قواعد فن ان روایات کا کوئی اعتبار نہیں۔ جب صحیح و غیر صحیح میں تعارض ہے تو غیر صحیح کو بلا تامل ساقط کیجئے۔ اس میں تکلف کیوں ہے؟

یہ تو بڑی ہی عجیب بات ہوگی کہ جو تخالف و تعارض ان روایات کے ناقابل قبول ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے اسی کو ان کے تحفظ کے لئے محرک تطبیق و توجیہ بنایا جائے؟

پھر اس پر بھی غور کرو تطبیق کے لئے جو احتمال پیدا کیا جاتا ہے۔ وہ کہاں تک موزوں اور قرین اعتبار ہے؟ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں: "فیحتمل ان تکون الآیة نزلت فی السببین معاً" یعنی ان دونوں روایتوں کو یوں ملایا جا سکتا ہے کہ شہد

ملا دیا ہے ۔

سورہ تحریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سرورکائنات کو کئی واقعات پیش آئے تھے :-

(۱) ازواج مطہرات اور علی الخصوص دو بیویوں کا طلب نفقہ کے لئے مظاہرہ کرنا ۔ وان تظاهرا علیه فان الله هو مولاہ ۔ الخ

(۲) افشاء راز :- واذ اسر النبی الی بعض ازواجہ الخ

(۳) کسی حلال چیز کا اپنے اوپر حرام کر لینا ۔ لم تحرم ما احل الله لك ۔

یہ تین الگ الگ واقعات ہیں ۔ اور آنحضرت کا ایلاء کرنا اور بیویوں سے کنارہ کش ہونا صرف پہلے ہی واقعہ کا نتیجہ ہے افشاء راز کے واقعہ سے اور کسی حلال شئے کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے ایلاء کو کوئی تعلق نہیں +

اس کے صریح ثبوت گذشتہ صفحوں میں گذر چکے ہیں ۔ سب سے بڑا ثبوت خود سورہ تحریم ہے ۔ احادیث سے بالاتفاق ثابت ہے کہ جب ایلاء کی مدت ختم ہوئی تو آیت تخییر نازل ہوئی پس اب چاہئے کہ اسی آیت میں ایلاء کے سبب کو ڈھونڈھیں کہ وہ کیا تھا ؟ کیونکہ ایلاء کے سبب اصلی کا جواب اس آیت میں دیا گیا تھا ۔ اور آیندہ کے لئے اس کا سد باب کیا گیا تھا جو سبب

نہ اُتریں۔ اس لئے ترک کردیں۔ تو اول تو ایسا ہونا ہی خود ان کی تضعیف کا کافی ثبوت ہے۔ ثانیاً صرف شروط بخاری ومسلم ہی کا یہاں سوال نہیں ہے۔ تمام کتب صحاح میں نہ ہونے سے تو ثابت ہوتا ہے کہ کسی کے نزدیک بھی لائق قبول ثابت نہ ہوئیں۔ ثالثاً۔ یہ واقعہ کوئی معمولی بات نہ تھی۔ ایک نہایت اہم واقعہ تھا۔ کیونکر تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ایک ایسے اہم واقعہ کو جس کا قرآن حکیم کی ایک آیت سے تعلق ہو۔ امام بخاری ومسلم و مولفین صحاح نے چھوڑ دیا ہو۔

گذشتہ ازاں۔ ایک ہی آیت کا دو مختلف واقعات کے متعلق اُترنا ایک ایسا دعوےٰ ہے جو محض احتمالات کی بنا پر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ علی الخصوص جبکہ قرآن کریم کی آیت سے دو مختلف واقعات ہونے کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔

چنانچہ حافظ ابن کثیر کو بھی اس کا اعتراف کرنا پڑا۔ دونوں روایتوں کو جمع کرنے کا ذکر کر کے لکھتے ہیں "وفیہ نظر۔ واللہ اعلم۔ (ابن کثیر جلد ۱۰ صفحہ ۲۱)

(غلط مبحث)

اصل یہ ہے کہ اس واقعہ میں ساری پیچیدگی ایک طرح کے غلط مبحث سے پیدا ہو گئی ہے۔ اور مختلف واقعات کو جو بالکل الگ الگ واقع ہوئے۔ ایک ہی واقعہ کے سلسلے میں

بعض ازواج مطہرات بھی بیٹھی تھیں۔ پوری مجلس پر سکوت طاری تھا۔ اور خود حضورؐ کی خاموشی سے ان کے طبع مبارک کی افسردگی اور تکدر کا پتہ چلتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے چاہا کہ کسی طرح حضورؐ کی افسردگی دور ہو۔ عرض کی:۔ یا رسول اللہ! اس وقت ایک ایسا معاملہ پیش آیا۔ جو بڑا ہی پر لطف تھا۔ میری بیوی نے مجھ سے نفقہ طلب کیا۔ اور لگی اصرار کرنے۔ میں بے ساختہ اٹھا۔ اور جھٹ اس کی گردن پکڑ کے دبا دی۔

آنحضرتؐ یہ سنکر بے ساختہ ہنس پڑے۔ پھر فرمایا کہ یہ جو میرے پاس بیٹھی ہیں (ازواج مطہرات) یہ بھی وہی چیز (نفقہ) طلب کرتی ہیں۔

حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں غصے میں آگئے بے اختیار اٹھے کہ اپنی اپنی صاحبزادیوں (یعنے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ) کو ماریں۔ انہوں نے کہا کہ "تم اللہ کے رسولؐ سے وہ چیز مانگتی ہو جو اُس کے پاس نہیں ہے"؟ آنحضرتؐ نے اس قدر سختی کرنے سے انہیں روکا۔ اور بات آئی گئی ہوئی۔

اس روایت سے نیز اس کے دیگر ہم مطلب روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ طلب نفقہ کا ازواج مطہرات کا بہت خیال تھا۔ اور وہ بار بار توسیع کے لئے اصرار کرتی تھیں۔ اس روایت میں صحبت کی خاموشی اور آنحضرتؐ کا تکدر طبع اس امر کا ثبوت ہے

اس سے معلوم ہوگا۔ وہ ایلاء کے متعلق قرآن کریم کی ایک ایسی داخلی و محکم شہادت ہوگی۔ جس کے بعد کوئی گنجائش ایں وآں کی باقی نہ رہیگی۔

پس دیکھو کہ کس آیت میں حق سبحانہ نے ازواج مطہرات سے فرمایا کہ تمہارے سامنے دنیا اور آخرت دونوں موجود ہیں ان میں سے ایک چیز کے ہو رہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایلاء کا سبب قطعاً دنیا طلبی ہی تھی۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ازواج مطہرات کے سامنے آخرت کو کیوں پیش کیا جاتا؟

(تشریح مزید)

حقیقت یہ ہے کہ ایلاء کا سبب اصلی بجز توسیع نفقہ کی خواہش کے اور کچھ نہ تھا۔ ازواج مطہرات آرام وراحت کی گودوں سے اٹھ کر حجرہ نبوت ورسالت کے عالم زہد و فقر میں آئی تھیں انہیں اپنی تنگی و عسرت بار بار محسوس ہوتی تھی۔ اور زبانوں سے حرف شکایت بن کر نکلتی تھی۔ آنحضرت (صلی اللہ و علی ازواجہ و آلہ و اصحابہ وسلم) اپنی حسن عشیرت اور فطری شفقت و رحمت کی وجہ سے شکایات سنتے اور خاموش رہ جاتے اگر مضمون بہت بڑھ نہ گیا ہوتا تو میں صحیح مسلم کی ایک اور روایت اس بارے میں نقل کرتا۔ اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک دن حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آنحضرت صلعم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے

کہ ان کے سے پہلے ازواج مطہرات نے توسیع نفقہ کے لئے اصرار کیا
تھا۔ اور آنحضرتؐ اس کی وجہ سے افسردہ طبع تھے۔
یہ اصرار بڑھتے بڑھتے جب اس حد تک پہنچ گیا کہ تمام بی بیوں
نے علی الخصوص حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے اس کے
لئے ایکا اور مظاہرہ کیا۔ تو آنحضرتؐ کے طبع مبارک پر بہت
شاق گذرا۔ اور آپؐ نے ایلاء کی قسم کھا لی۔ عقلاً اور درایتاً بھی
(حالانکہ ہم نے تمام مبحث میں صرف روایتاً نظر ڈالنا ہی کافی
سمجھا ہے) ایک ایسی کنارہ کشی اور علیحدگی کے لئے یہی سبب
اصلی اور حقیقی ہو سکتا ہے۔

مخالفین منکرین اور معاندین شیاطین نے اس خلط مبحث سے یہ فائدہ اُٹھایا کہ ایلاء کا سبب ماریہ قبطیہ کا قصہ قرار دیدیا۔ اور پھر اس سے یہ استدلال کیا کہ آپ کی زندگی میں (نعوذ باللہ) ایسے ناگفتہ بہ واقعات پیش آتے تھے جنکی وجہ سے تمام بی بیاں ناراض ہو ہو جاتی تھیں۔ اور آپ ایک ایک مہینے تک اُن سے رُوٹھ کر خانہ نشین رہتے تھے۔ آپ کے دوست کے مسیحی معلم نے بھی اسی فریب سے کام لیا ہے۔

الہلال

واللہ یعلم انہم لکاذبون!

تمت